محمود الحسن بزمی*

ہیر وارث شاہ
کا ایک منظوم اردو ترجمہ — تحقیقی جائزہ

وارث شاہ پنجابی صوفی شعرا میں سرِ فہرست ہیں اور ان کی تصنیف *ہیر وارث شاہ* کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے۔ بین الاقوامی شہرت کی حامل اس تصنیف کے متعدد زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ اُردو زبان میں بھی اس کے منظوم تراجم ہو چکے ہیں۔ جن کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ نگاران وارث شاہ کے زمانے کی پنجابی زبان سے مکمل آگاہی نہیں رکھتے اس وجہ سے اکثر اوقات وہ غلط ترجمہ کر جاتے ہیں۔ زیرِنظر مضمون میں *ہیر وارث شاہ* کے صرف ایک منظوم اُردو ترجمے از عبدالوحید مجاہد یکتا کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ اندازہ کیا جا سکے کہ ترجمے میں کہاں کہاں نارسائی ہے اور کہاں کہاں ترجمہ نگار اصل مفہوم سے دور جا پڑے ہیں۔

ہیر وارث شاہ کے منظوم اردو تراجم میں سے صرف محمد عبدالوحید مجاہد یکتا کا ایسا ترجمہ ہے جو مکمل ہے۔ یکتا نے منظوم ترجمہ *ہیر وارث شاہ* ۱۹۶۹ء میں مکمل کیا جو پہلی بار ۱۹۷۶ء میں وارث شاہ اکیڈمی، کراچی نے شائع کیا۔ اردو مثنوی کی بحر متقارب مزاحف (فعولن، فعولن، فعولن، فعو) میں اس ترجمے کے ۸۰۲۴ (آٹھ ہزار چوبیس) اشعار ہیں۔ کتاب کے شروع میں صفحہ ا سے ز تک محمد عظیم الدین محبت کا ۶ مارچ ۱۹۷۶ء کا تحریر کردہ مقدمہ ہے جس میں انہوں نے *ہیر وارث شاہ* کی اہمیت، یکتا اور اُن کے اس ترجمے کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد صفحہ ''ح'' سے ''ی'' تک تین صفحات پر مشتمل خواجہ عبدالعلی صدیقی نقشبندی القادری کا اسی بحر (مثنوی کی) میں

---

* محمود الحسن بزمی، اُستاد شعبہ پنجابی، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔

منظوم ''تعارف'' ہے جس میں انہوں نے یکتا، اُن کے اساتذہ اور پھر اس ترجمے کے بارے میں منظوم اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس ''تعارف'' کے آخری شعر میں تاریخِ ترجمہ نکالی گئی ہے۔

اس کے بعد صفحہ ا سے منظوم ترجمہ ہیر وارث شاہ شروع ہو جاتا ہے جو صفحہ ۴۸۳ پر ختم ہوتا ہے۔ مکمل ہیر وارث شاہ کے اس منظوم ترجمے کے اختتام کے بعد اسی صفحے کے آخر میں میر نذیر علی نذر کاکوروی (مرحوم) کا قطعہ تاریخ برزیرِ نظر منظوم اردو ترجمہ، ہیر وارث شاہ ہے۔

مجاہد یکتا نے اُردو مثنوی کی بحر متقارب مزاحف (فعولن، فعولن، فعولن، فعو) میں یہ بڑا کامیاب ترجمہ کیا ہے۔ مترجم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی مادری زبان پنجابی ہے نہ خطۂ پنجاب سے اُن کا ابتدائی اور گہرا تعلق۔ کتاب کے مقدمے میں محمد عظیم الدین محبت نے یکتا کے جو مختصر حالات درج کیے اُن سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یکتا نے پنجابی زبان باقاعدہ طور پر سیکھی ہے اور اس میں اس قدر قدرت حاصل کی کہ پنجابی کے شاہ کار ہیر وارث شاہ کا ترجمہ کر لیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> حضرت علامہ عبدالوحید مجاہد یکتا ۲۸ اپریل ۱۸۹۸ء میں (کو) حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ علوم مشرقیہ کی تحصیل علامہ سید اشرف شمسی، علامہ سید جلال الدین ید اللہی اور مولوی علی حیدر طباطبائی لکھنوئی سے کی۔ مولوی سید حیدر الدین رضی دہلوی سے عروض اور اُردو پڑھی۔ ادیب فاضل کا امتحان حیدر الدین رضی سے تعلیم حاصل کر کے دیا۔ ۱۹۶۵ء میں کراچی آ گئے۔ یہاں ۶۷ سال کی عمر میں عبدالرحمٰن صوفی گجراتی سے پنجابی زبان سیکھی۔ پونے دو سال میں پنجابی زبان پر اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ وارث شاہ کی ہیر رانجھا کا ترجمہ کر دیا۔ دو سال تک ہیر کے گیسو سنوارنے کے بعد ۴ اپریل ۱۹۶۹ء کو مترجم نے آٹھ ہزار چوبیس موتیوں کی مالا رانجھے کے گلے میں پہنا دی۔ [۱]

کوشش کے باوجود مجاہد یکتا کے اس سے زیادہ حالات کافی الوقت کوئی سراغ نہیں ملا۔ اُردو کا جامع انسائیکلوپیڈیا [۲]، خفتگانِ کراچی [۳]، پاکستانی اہلِ قلم کی ڈائریکٹری [۴] اور انٹرنیٹ وغیرہ پر بھی کہیں ان کے مزید سوانحی حالات نہیں مل سکے۔

زیرِ نظر کتاب ہیر وارث میں مترجم کا کوئی پیش لفظ یا دیباچہ شامل نہیں۔ اس وجہ سے کہیں بھی ذکر نہیں آ سکا کہ ترجمہ کرتے وقت مترجم کے پیشِ نظر ہیر وارث شاہ کا کون سا ایڈیشن

رہا۔ مقدمہ نگار نے بھی یہ صراحت کہیں نہیں کی۔ ۱۹۶۹ء میں ترجمہ مکمل ہوا، اس سے بہت پہلے، شیخ عبدالعزیز کی مرتبہ ہیر وارث شاہ ۱۹۶۰ء میں پہلی بار اور پھر ۱۹۶۵ء میں دوسری بار لاہور سے شائع ہو چکی تھی۔ اسی دوران میں ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کی مرتب کردہ ہیر بھی شائع ہو چکی تھی لیکن یکتا کے ترجمے سے موازنہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ مذکورہ مرتبہ دونوں ایڈیشنوں میں سے کوئی بھی ان کے سامنے نہیں رہا۔ عنوانات، ترتیب اشعار اور متن میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس ترجمے سے پہلے اور کسی قدر بعد میں بھی پیراں دتہ کی مرتبہ اصلی تے وڈی ہیر کو خاص شہرت حاصل رہی اور یہ کئی مطابع سے بار ہا بغیر تاریخ اشاعت تبدیل کیے چھپتی رہی۔ خود پیراں دتہ کے مختلف ایڈیشنوں میں عنوانات، ترتیب اشعار اور متن میں بہت بُعد اور اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مترجم کے ترجمے کو صحیح تناظر میں جانچنے کے لیے اصل کی تلاش اور حصول بنیادی تقاضا ہے۔ اس تلاش اور جستجو میں پیراں دتہ کا مرتبہ وہ ایڈیشن ہاتھ لگ گیا جس کے عنوانات، ترتیب اشعار اور متن من و عن یکتا کے ترجمے کے مطابق ہیں۔ پیراں دتہ نے ہیر میں الحاقی کلام کو شامل کر کے پہلی بار اصلی تے وڈی ہیر وارث شاہ کے نام سے ۱۳۳۷ھ میں کتب خانہ محمدی بھاٹی دروازہ سے چھپوایا۔ اس کے بعد متعدد مطابع نے اسے شائع کیا۔ ان میں سے مجاہد یکتا کے پیشِ نظر جو ایڈیشن رہا ہے وہ پیراں دتہ کے اسی ایڈیشن کی کوئی بعد کی اشاعت ہے۔ جس میں طویل دیباچہ، فرہنگ اور حواشی بھی موجود ہیں اور یہ شیخ غلام حسین اینڈ سنز تاجران کتب لاہور سے شائع ہوا ہے۔ یکتا کے ترجمے کا جائزہ لیتے ہوئے موازنے کے لیے یہی ایڈیشن پیش نظر ہے۔

یکتا نے یہ ترجمہ مثنوی کی رواں اور پُر اثر بحر میں کیا۔ ہیر کا ہر مصرع طویل اور آٹھ ماتراؤں پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ مثنوی کی بحر میں مصرع مختصر ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہیر کے ایک مصرعے کا منظوم اُردو ترجمہ اکثر اوقات ایک مکمل شعر کی صورت میں کیا گیا ہے بعض جگہوں پر ہیر کے ایک مصرعے کا ترجمہ دو شعروں میں بھی کرنا پڑا اور بعض اوقات ایک مصرعے کا ترجمہ ایک مصرعے میں بھی کیا گیا ہے۔ یکتا کے اس ترجمے پر لفظی ترجمے کا اطلاق ہوتا ہے لیکن کہیں کہیں انہیں اس سے ابا بھی کرنا پڑا ہے اور آزاد ترجمے سے بھی کام لیا ہے۔ ترجمے میں بعض پنجابی الفاظ کا برقرار رہ جانا تو فطری تھا لیکن مترجم نے بعض جگہوں پر حاشیے میں اُس پنجابی لفظ کی وضاحت کر دی ہے۔ ترجمے میں متن کے تمام عنوانات، پنجابی میں مروجہ ہیر کے فارسی عنوانات کے مطابق

ہیں۔ یکتا کے ترجمے میں املا تقریباً وہی قدیم طرز کا برقرار ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو مندرجہ ذیل الفاظ کے متروک املا کی مثالیں کثرت سے مل جاتی ہیں:

چھلکتے	(چہلکتے)	ص ۲۲
چھپتا	(چہپتا)	ص ۲۸، ۷
ٹہری	(ٹھہری)	ص ۳۰
پچتارہا	(پچھتارہا)	ص ۱۳۸
پچتانا	(پچھتانا)	ص ۵۷ (دوبارآیا ہے)
رکہنے	(رکھنے)	ص ۶۰
سمجہا	(سمجھا)	ص ۷۸
بھروپیا	(بہروپیا)	ص ۸۲
دوپھر	(دوپہر)	ص ۷۵
تہوکوں	(ٹھوکوں)	ص ۱۰۸ اور ۱۱۰ پر بھی
ٹہرے	(ٹھہرے)	ص ۱۱۳
بوجہ	(بوجھ)	ص ۱۱۷

بنظرِ ظاہر دیکھیں تو یکتا کا یہ ترجمہ پنجابی کی ایک خوبصورت اور پُر اثر داستان کو اُردو مثنوی کے قالب میں ڈھالنے کا کامیاب عمل ہے۔ لیکن اگر اس کا موازنہ اصل پنجابی ہیر وارث شاہ سے کیا جائے تو کئی مختلف مباحث سامنے آتے ہیں اور ترجمہ بعض حوالوں سے قدرے کمزور بھی دکھائی دیتا ہے۔ مجاہد یکتا نے بڑی محنت اور ریاضت سے ہیر کا ترجمہ کرنے کی غرض سے پنجابی زبان کو باقاعدہ طور پر سیکھا لیکن وہ خود پنجابی نہیں تھے نہ پنجابی ان کی مادری زبان تھی۔ اس وجہ سے بعض مقامات پر پنجابی مفہوم کو سمجھنے میں انہیں دشواری ہوئی اور سہواً انہوں نے اس کا غلط ترجمہ کر دیا۔ پنجابی الفاظ کے مفہوم کو سمجھ نہ پانا اور اُس کا غلط ترجمہ کر دینے میں کچھ حوالے تو ایسے ہیں جو زیادہ قابلِ اعتراض نہیں ٹھہرتے لیکن بعض مفاہیم ایسے ہیں جن سے اصل مفہوم، ترجمے میں گمراہ کن صورت تک پہنچ جاتا اور مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔ یکتا نے ترجمہ کرتے وقت ’’ہیر‘‘ کا کوئی مستند مدون شدہ نسخہ سامنے نہیں رکھا۔ جیسا کہ وہ پنجابی زبان اور اس کی ادبی رویت سے مکمل طور پر آگاہ نہیں تھے یا اتنی دسترس نہیں رکھتے جتنی ایک پنجابی کو ہوتی ہے یا خصوصاً ’’ہیر‘‘ کا ترجمہ

کرتے وقت ہونی چاہیے۔ ذیل میں یکتا کے اصل سے ہٹ کر غلط ترجمے کی مثالیں پیش کرتے ہوئے موازنے کے لیے پیراں دتہ ترگڑ کا مرتبہ وہ ایڈیشن سامنے رکھا ہے جس کا تعین پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس موازنے میں ہیر کے دیگر ایڈیشنوں اور تراجم سے بھی مدد لی ہے لیکن یہاں ان غلطیوں کو بھی زیادہ تر نظر انداز کیا ہے جو یکتا کے پیش نظر ترجمے میں صرف کتابت کی یا پروف کی ہیں۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں ہے کہ جو یکتا کے پیشِ نظر رہنے والے نسخے کے مطابق ہے کیونکہ مدونہ نسخوں کے متن میں اختلاف ہے جس کا اطلاق یکتا کے ترجمے پر کرنا بے جا ہے کہ ان کے سامنے یہ متن رہا ہی نہیں تو وہ اس کے مطابق ترجمہ کیونکر کرتے۔ اب ذیل میں یکتا کے اصل سے ہٹ کر غلط اور مسخ شدہ ترجمے کی وہ مثالیں ملاحظہ ہوں جو اصل کی نسبت زیادہ گمراہ کن ہیں۔

ان مثالوں میں حوالے پنجابی کے اصل متن کے مصرعے پیراں دتہ کے مذکورہ ایڈیشن سے اور ترجمے کے متعلقہ صفحات کے ساتھ ساتھ دیے جائیں گے تاکہ مضمون کے آخر میں حوالے اور حواشی زیادہ گراں بار نہ ہوں۔ میرے مشاہدات ومعروضات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) اوّل حمد خدا دا ورد کیجئے عشق کیتا سو جگ دا مول میاں (ص ۵۸)

زباں پر ہمیشہ ہو حمدِ خدا نہ ہو دل میں الفت جہاں کی ذرا (ص ۱)

اس پہلے مصرعے کا ترجمہ ہے کہ اس ذاتِ حق کی حمد وثنا بیان کرنی چاہیے جس نے دنیا کے لیے عشق کو بنیاد اور اصل قرار دیا ہے۔ گویا اس میں سے ’’عشق کیتا سو جگ دا مول میاں‘‘ کا ترجمہ ’’نہ ہو دل میں الفت جہاں کی ذرا‘‘ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اصلی متن میں جہاں کی الفت نہ رکھنا نہیں کہا گیا بلکہ جہاں کی بنیاد اور ماحصل عشق کو قرار دیا گیا ہے۔

(۲) روز حشر دے پیر دے طالباں نوں ہتھیں سجڑے ملن گیاں چیریاں نی (ص ۶۰)

قیامت میں جھنڈے کے نیچے رہیں وہاں اُن کے طالب کو خلعت ملیں (ص ۲)

’’سجڑے ہتھ چیریاں‘‘ دائیں ہاتھ میں اعمال نامے، چٹھی، سند، اجازت نامہ یعنی بخشش نامہ ظاہر ہے بخشش نامہ رحم اور مہربانی کے نتیجے میں ہے اور ’’خلعت‘‘ انعام واکرام کی وہ صورت ہے جس میں رحم یا مہربانی نہیں بلکہ دینے والے کی خوشی خاطر اور پسند کو دخل ہے۔

(۳) شکر گنج نے آن مکان کیتا دکھ درد پنجاب دا دور ہے جی (ص ۲۰)

شکر گنج میں آ کے حضرت بسے ہوئے دفع دکھ ملک پنجاب کے (ص ۳)

شکر گنج حضرت بابا فریدؒ کا لقب/ خطاب ہے۔ ترجمے میں اسے مقام/ جگہ قرار دیا ہے۔

(۴) والے کو کلے مندراں مجھ لنگی نواں ٹھاٹھ تے ٹھاٹھ چڑھایائی (ص ۶۲)
مگران کی مجھ لنگی ان کا بدن کہ ہر سیدھ میں جس کی اک بانکپن (ص ۴)

''مجھ لنگی'' ترجمہ شدہ مصرع میں بے معنی یا مبہم ہے۔ مجھ لنگی قد کی لمبائی کے عین وسط تک مکمل تہہ بند، بڑی بھرپور اور بڑے گھیر کی تہہ بند۔ اس پہلے حصے کا ترجمہ یوں زیادہ مناسب ہو سکتا ہے:

نظر آتی مجھ لنگی اُن کے بدن

(۵) آکھن دیوراں نال نہال ہویاں سانوں سب شریکنیاں ہسدیاں نی (ص ۶۴)
مری سہلیاں مجھ سے کہتی ہیں یہ پکڑ ہاتھ مہنے وہ دیتی ہیں یہ (ص ۸)

ترجمے میں ''سہیلیاں'' کو ضرورتاً ''سہلیاں'' باندھا ہے جو ایک مختلف المفہوم پنجابی لفظ ہے۔ دوسرا یہ کہ ''شریکنیاں'' وہ رشتہ دار عورتیں ہیں جو حسد اور عداوت رکھتی ہیں۔ یہ لفظ ''سہیلیاں'' کا متبادل نہیں ہوسکتا۔ ''دیوراں نال ہوئیاں'' جیسے معنی خیز جزو کا مفہوم بھی ترجمے میں نہیں لایا جا سکا۔

(۶) اک توں کلنک ہیں اساں لگا ہور سب سوکھلیاں وسدیاں نی (ص ۶۴)
رکھے خوش خدا اُن کو سب ہیں بھلے کلنک کا ہے ٹیکہ تو سب کے لئے (ص ۸)

''کن کو'' خدا خوش رکھے؟ اور کن ''سب کے لئے'' رانجھا کلنک کا ٹیکہ ہے۔ اصل کا ترجمہ یہ ہے کہ اے رانجھے تو صرف ہمارے لیے کلنک کا ٹیکہ ہے ہماری باقی رشتہ دار شریکنیاں تو آسانی سے زندگی بسر کررہی ہیں اُن پر اس طرح کا کوئی الزام نہیں کہ وہ دیور کے ساتھ نہال رہتی ہیں۔

(۷) رناں ڈگدیاں دیکھ کے چھیل منڈا جویں شہد وچ مکھیاں پھسدیاں نی (ص ۶۴)
تیرے حُسن وصورت پہ سب ہیں فدا کنھیا تو ہر استری کا ہوا (ص ۸)

اصل مذکورہ پنجابی مصرعے سے پہلے اور بعد میں نیز مجموعی طور پر اس پورے بند میں رانجھے کی بھاوج اُسے یہ بتا رہی ہے کہ ہم آپ کی خاطر برادری میں بدنام ہوگئی ہیں اور شریکنیاں (رشتہ دار عورتیں) یہ کہتی ہیں کہ رانجھے کی بھاوجیں ''رانجھے دے نال نے گھیوں شکر'' اور ''دیوراں نال نہال ہوئیاں''۔ یکتا نے ترجمہ میں یہ غلط اور اُلٹ مفہوم بیان کیا ہے کہ رانجھے کی بھاوج اُسے کہہ رہی ہے کہ گاؤں کی ساری لڑکیاں (عورتیں) تیرے حُسن پر فدا ہیں اور تجھے کنھیا سمجھتی ہیں۔

(۸) علی جیٹھ تے جہناں دے فتو دیور ڈُب موئیاں اوہ بھرجائیاں نی
اسیں شرم دیاں ماریاں ڈب مریئے ساڈے بھاتوں کہیاں بنائیاں نی (ص ۶۵)
مریں ڈوب دنیا کی سب بھاوجیں قسم لے لو ہم سے جو اُف بھی کریں
حیا شرم سے تو کہیں ڈوب مر خدارا ہمارا تو پیچھا نہ کر (ص ۹)

اس پورے بند میں بھی نیگہ (رانجھے کی بھابھی) رانجھے کو بُرا بھلا کہتے ہوئے کہتی ہے کہ تیرے جیسے نکمے جن کے دیور ہوں اُنہیں ڈوب مرنا چاہیے اور ہم پر شریکینوں نے تمہاری وجہ سے جو الزامات لگائے ہیں اس وجہ سے ہم تو شرم سے ڈوب مری ہیں یہ تم نے ہم پہ کیسے الزامات لگوا دیئے ہیں۔ ترجمے میں ''قسم لے لو ہم سے جو اُف بھی کریں'' تو نیازمندی کی علامت ہے جو غلط ہے کیونکہ رانجھے کی بھاوج تو ایک طرح اُس سے لڑائی کررہی ہے۔ اگلے شعر کے پہلے مصرعے میں ''حیا شرم ہے تو کہیں ڈوب مر'' میں یکتا نے بھاوج کی زبان سے رانجھے کو خطاب کیا ہے جو غلط ہے اصل میں بھاوج تنگ آکر اپنے بارے میں کہہ رہی ہے۔ گویا یہاں بھی ترجمہ اصل کے برعکس اور متضاد ہوگیا ہے۔

(۹) ایہہ باندیاں اسیں غلام تیرے کوئی ہور وچار وچار نا ہیں (ص ۶۸)
کہا بھابیوں نے کنیزیں ہیں ہم خطاب نہیں ہوگی جب تک ہے دم (ص ۱۳)

اصل میں بھابیوں نے نہیں کہا کہ ہم تیری کنیزیں ہیں۔ بھائیوں نے کہا ہے کہ ہماری بیویاں آپ کی کنیزیں اور ہم آپ کے غلام ہیں۔

(۱۰) جیہڑی تھاؤں ناپاک لے وچ وڑیوں شکر رب دیاں بے پرواہیاں نوں (ص ۷۰)
کھوتی، بھیڑ، کتی سبھا ضرب کڈھو چھڈ وکواریاں نہ ویاہیاں نوں (ص ۷۱)
یہاں کوئی ناپاک آتا نہیں خدا کا ہے یہ گھر تمہارا نہیں
گدھا، بھیڑ، کتیا سبھی ایک ہیں بیاہی کنواری، نڈھی ایک ہیں
انہیں ایک لاٹھی سے ہانکو نہیں یقیناً تمہیں کچھ سمجھاؤ نہیں (ص ۱۷)

اصل میں رانجھا ملاّ کو نصیحتیں نہیں کررہا کہ تم یہ نہ کرو اور وہ نہ کرو۔ وہ تو ملاّ کا تجزیہ کر کے اُسے آئینہ دکھا رہا ہے کہ اے ملاّ تو مجھے کہتا ہے کہ میں غیر شرع مسجد میں نہیں آسکتا یہ خدا کا پاک گھر ہے حالانکہ تو خود اپنے جسم کے ناپاک حصّوں سمیت یہاں موجود رہتا ہے۔ اس کے علاوہ

ترجمہ شدہ دوسرے شعر میں ترجمہ نگار جانوروں کی تذکیر و تانیث کی تخصیص کیے بغیر، ان کے نام لے کر اور بیاہی، کنواری عورتوں کا ذکر کر کے رانجھے کی زبانی ملاّ کو نصیحت کرتے ہیں کہ ''انہیں ایک لاٹھی سے ہانکو نہیں'' مطلب کہ جانور اور انسان میں فرق روا رکھو انہیں برابر نہ سمجھو۔ مراد کہ مجھے اہم سمجھو عام نہ سمجھو۔ حالانکہ اصل میں رانجھا ملاّ کو شہوت پرست کہتا ہے جو اپنی جنسی ہوس کی تسکین ہر حالت میں پوری کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔ ہیر کے مصرعے میں طنز کی جو کاٹ ہے۔ ترجمے میں نہ تو وہ بیان ہو سکی اور نہ ہی اصل مدّعا۔

(۱۱) چور دھاڑوی آن کے لبھ دیوے پردہ اوس دا نہ اگھاڑناہاں (ص ۷۳)

نہ چوروں کو میری سواری ملے — نہ یہ پردہ کشتی کا میری کھلے (ص ۲۴)

ترجمہ مبہم اور غیر واضح بلکہ غلط ہے۔ اس کا یہ مفہوم بن رہا ہے کہ میں چوروں کو اپنی کشتی میں نہیں بٹھاتا۔ حالانکہ اصل میں ملاح رانجھے سے کہہ رہا ہے کہ اگر کوئی چور بھی مجھے پیسے کا لالچ دے تو میں اُس کو پار اتار آتا ہوں اور اُس کے چور ہونے کا راز فاش نہیں کرتا ''لبھ'' لالچ، حرص ہوتا ہے۔

(۱۲) بیڑی نہیں ایہ جنج دی بنی بیٹھک جو کوئی آوے سو سد بہاؤندا اے (ص ۷۵)

براتی کی بیٹھک یہ کشتی نہیں — کبھی ٹک کے یک جا یہ رہتی نہیں (ص ۲۷)

اس بند کا عنوان ''مقولہ شاعر'' ہے سب سے پہلے اصل میں لڈن اور رانجھے کا جھگڑا رہا۔ پھر وہ راضی ہو گیا۔ اب شاعر اپنی رائے دیتا ہے کہ لڈن ملاح جو پہلے رانجھے سے لڑ رہا تھا اب رام اور مہربان ہو چکا ہے۔ لہٰذا ہر خاص و عام کشتی میں آ کر بیٹھ رہا ہے گویا یہ کشتی نہیں بلکہ جنج (بارات) کے بیٹھنے کی جگہ بن گئی۔ ترجمہ نگار نے غلط مفہوم لیا اور ادا کیا کہ یہ کشتی براتیوں کے بیٹھنے کے لیے نہیں۔ دوسرا مصرع بھی بے جوڑ اور مبہم رہ جاتا ہے کہ کبھی ٹک کے یک جا یہ رہتی نہیں۔

(۱۳) وارث شاہ میاں ولی ظاہر اے ویکھ ہنے جھبیل کُتاوندا اے (ص ۷۵)

بروں سے توقع کچھ اچھی نہی — بنالے نہ اپنا کسی کو کہیں (ص ۲۷)

اصل میں وارث شاہ رانجھے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے چونکہ لڈن ملاح کی بیویوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے لہٰذا اب یہ اُن سے لڈن کی پٹائی کروائے گا کیونکہ لڈن نے اُسے کشتی میں بٹھانے سے انکار کیا تھا۔ ترجمے میں یہ مفہوم آ ہی نہیں سکا۔

(۱۴) سنے لڈن جھبیل دیاں دونویں رناں سیج ہیر دی تے رنگ لانوندا ای (ص ۷۶)

چھبیل ولڈن اور آیا ہے جو — بنائے ہیں بستر تیری سیج کو (ص ۲۸)

ترجمے میں جھبیل اور لڈن کو الگ الگ قرار دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اصل لفظ جھبیل ہے جس کے معنی ہیں ملاح یعنی لڈن نام ہے اور اُس کے پیشے کے لحاظ سے اُسے لڈن جھبیل کہا جاتا ہے۔ ترجمہ نگار نے ''چھبیل'' لکھ کر لڈن کی چھبیل چھبیل بیوی قرار دیا دوسرا لڈن اور تیسرا ''آیا ہے جو''، یعنی رانجھا جو باہر سے آیا ہے۔ لہٰذا یہ تین کردار بنائے۔ حالانکہ اصل متن میں وارث شاہ نے کہا ہے کہ بھینسیں چرانے والے گاؤں میں جا کر بتاتے ہیں کہ رانجھا آیا ہوا ہے جو لڈن جھبیل کی دونوں بیویوں سمیت ہیر کے پلنگ پر عیش کر رہا ہے اور کہا کہ تینوں ہیر کی سیج پر عیش کر رہے ہیں۔

(۱۵) وارث شاہ جھبیل تے گڑا تھا ہتھیں چابکاں لیاں ہتھیاریاں نی (ص ۷۸)

لڈن کی تھی زوجہ پڑی بیچ میں — منڈاتے ہی سر جیسے اولے پڑیں (ص ۳۳)

جھبیل لڈن کا عرف یا ذات ہے لیکن یکتا نے اسے ہر جگہ چھبیل پڑھ کر لڈن کی بیوی مراد لیا ہے مثلاً

پکڑ لئے جھبیل تے بنھ مشکاں مار چھمکاں لہو لہان کیتا (ص ۷۸)

سبھی سہلیاں تھیں پلنگ کے قریں — وہیں پر کہیں تھی چھبیل حزیں

اُسے باندھ چھمکوں سے پیٹا گیا — چھٹی کا اُسے دودھ یاد آ گیا (ص ۳۳)

ہیر کا جو نسخہ یکتا کے پیشِ نظر رہا اس میں کہیں جھبیل لکھا ہے کہیں چھبیل اس وجہ سے ترجمہ نگار نے غور کیے بغیر اس میں سے ''چھبیل'' کو درست جانا جس وجہ سے یہ اغلاط در آئیں۔ حالانکہ اگر ''جھبیل'' بھی پڑھا جائے تو اکثر جگہ ''لڈن'' کی بیوی قطعاً مراد نہیں لی جا سکتی واضح ہوتا ہے اس سے مراد لڈن ہے یا اس پیشے کے دوسرے ملاّح وغیرہ۔

(۱۶) کسے مان متی گھرون کڈھیا ای جس واسطے پھیریاں پاونائیں (ص ۸۰)

کوئی مت کی ماری ہے تجھ سے خفا — کہ یوں گھر سے بے گھر تجھے کر دیا (ص ۳۷)

''مان متی'' مغرور کے معنی دیتا ہے۔ لہٰذا ''مت کی ماری'' ترجمہ غلط ہو گیا۔ اس سے پہلے بند میں ''مان متیے روپ گمان بھریئے'' کا ترجمہ یکتا درست کر کے آئے ہیں کہ ''بتِ شوخ و طنّاز سن یہ ذرا''۔

(۱۷) مجھیں چھیڑ دے جھَل دے وچ بیبا آپ ہو بہنیں اک پا سڑے تے (ص ۸۵)
کسی جھیل میں تو انہیں ہانک دے کنارے کہیں تو پڑ ھارے رہے (ص ۴۵)

پنجابی میں ''جھَل'' گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ مترجم نے اس کو پانی والی ''جھیل'' قرار دیا جو غلط ہے۔ اس کے علاوہ بھی ہر جگہ ''جھَل'' کا ترجمہ انھوں نے جھیل کیا ہے۔ مثلاً

''جہاں جھیل تھی اوراوگا ہرا'' (ص ٦٦)
''جھیل جنگل سے ڈرتا نہیں'' (ص ۱۱۱)

(۱۸) اک وانگ مرغابیاں چال چلن اک بولیاں چھیل چھبیلیاں نی (ص ۸۷)
کسی کی سرِ آب کونجوں کی چال کسی کی وہ ڈنکار سَر کو نکال (ص ۴۷)

مرغابی اور کونج دو مختلف پرندے ہیں۔

(۱۹) اک کرن اوگالیاں مست ہو کے مرکاں کھائیکے ساویاں پیلیاں نی (ص ۸۷)
کوئی مست ہو کر جُگالی کرے کوئی مُرکیاں بھرتے جنگل پھرے (ص ۴۷)

''مُرک'' گھاس کی ایک قسم ہے جس کی جمع ''مرکاں'' یہاں استعمال ہوا کہ بھینسیں سبز سبز ''مرکیں'' کھاتی ہیں۔ مترجم نے ''مُرکیاں بھرنا'' چھلانگیں لگانا کے معنی میں استعمال کیا جو غلط ہو گیا حالانکہ ''مرکاں کھائیکے'' سے واضح ہے کہ ''مُرکاں'' کوئی کھانے والی چیز ہے۔

(۲۰) نہ سویں نہ چھڈ اودہال جاویں گھر ماپیاں دے نہیں ڈھنگنی ایں (ص ۱۱۲)
نہ ہے نینداس کو نہ ہے اس کو چین کچھ ایسے ہی ہیں اس کے دن اور رین
اگر باندھ کر کوئی اس کو رکھے رہے گھر میں ہرگز نہ ماں باپ کے (ص ٧٢)

اصل میں رانجھے کو ''پنج پیروں'' نے نوید سنائی ہے کہ ہیر تمہاری ہے۔ لیکن ساتھ نصیحت بھی کی ہے کہ اب تم مطمئن ہو کر ہیر سے غافل بھی نہ ہو جانا یعنی اس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں چھوڑ دینی مایوس بھی نہیں ہونا اور نہ جذباتی ہو کر اُسے اپنے ساتھ بھگا کر لے جانا، ہیر تمہاری ہے گھر والوں نے اُسے قید کر کے تو نہیں رکھ چھوڑنا۔

ترجمہ نگار نے ''نہ سویں'' (یعنی پیروں سے نوید سُن کر اور حوصلہ پا کر غافل نہ ہو جانا کہ اب ہیر تو میری ہی ہے) کو ہیر کی بے چینی قرار دیا جو غلط ہے۔ دوسرا شعر بھی غلط ہے۔ اس میں ترجمہ نگار کی مراد ہے کہ اگر ہیر کو اس کے گھر والے باندھ کر رکھنا چاہیں گے تو وہ انہیں چھوڑ کر بھاگ جائے گی۔ حالانکہ اصل میں ہے کہ رانجھے کو خوش خبری ہے کہ گھبرانا نہیں ہیر تمہاری ہے گھر

بنیاد جلد دوم شمارہ:۱، ۲۰۱۱ء

والوں نے اُس کو سدا گھر میں نہیں بٹھائے رکھنا بس تو غافل نہ ہونا مایوس بھی نہ ہونا اور نہ جلد بازی کرنا۔

(۲۱) اُتے پھرن پروار جیوں چن دوالے گرد پائلاں پاندیاں مور وانگوں (ص ۱۲۲)
پھرا ہو کے بے چین پروانہ وار کہ جوں مور پانوں سے ہو سوگوار (ص ۹۴)

ترجمے میں ہے کہ کیدو مار کھانے کے بعد بے چین اور دیوانہ وار پھر رہا ہے اور مور کی طرح پاؤں دیکھ کر (یعنی اپنی گت بنی دیکھ کر) سوگوار ہے یا رو رہا ہے۔ جبکہ اصل متن میں وارث شاہ ''مقولہ شاعر'' کے تحت کیدو کے پٹ جانے کے بعد کا منظر کھینچتے ہیں کہ اب ہیر کی سہیلیاں اُسے مار پیٹ کر، شوخی سے اس کے گرد گھوم رہی ہیں۔

(۲۲) کسے چٹھیاں خط سنہیاں تے مال لٹیا ناہیوں موڑیا جے (ص ۹۰)
لکھی چٹھی اور یہ زبانی کہا شکایت ہے اُس سے نہ ہم کو گلا (ص ۱۰٦)

مترجم کا کہنا ہے کہ مہر چوچک نے رانجھے کے بھائیوں کو خط بھی لکھا اور زبانی پیغام بھی بھیجا کہ ہمیں رانجھے سے کوئی شکایت نہیں لہٰذا ہم اسے زبردستی نہیں بھیج سکتے۔ جبکہ اصل متن کا مفہوم یہ ہے کہ چوچک رانجھے کے بھائیوں کو جوابی خط میں لکھ رہا ہے کہ آپ خط لکھ کر ہم سے رانجھا طلب کر رہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ جو لوٹ کا مال ہو وہ کبھی خط کتابت یا پیغام کے ذریعے حاصل نہیں ہوتا خود جانا پڑتا ہے اور تم صرف خط لکھ رہے ہو۔

(۲۳) اوہ اساں دے نال ہے چن بندا اسیں کھیتاں نال بنیدیاں ہاں (ص ۹۲)
ہمارا وہ آقا ہے ہم لونڈیاں مگر ہم نہیں اس کی کچھ کھیتیاں (ص ۱۰۹)

اصل میں ہے کہ رانجھے کی بھاوجیں ہیر کو لکھ رہی ہیں کہ اُسے واپس بھیج دو وہ ہمارے لیے چاند کے برابر ہے اور ہم اس کے سامنے کھتیاں (ستاروں) کی مانند ہیں لہٰذا وہ ہمارا اپنا ہے ہم سے اُس کو نسبت ہے جیسے چاند سے ستاروں کو ہے۔ ترجمہ نگار نے بالکل ہی غلط کر دیا ہے کہ ''وہ ہمارا آقا اور ہم کنیزیں'' یہ پہلا مصرع تو اصل متن میں موجود نہیں۔ دوسرا مصرع ویسے ہی غلط اور مبہم ہو گیا ہے کہ ہم اُس کی کھیتیاں (کھیتی باڑی یا زمین) نہیں ہیں۔ گویا ترجمے کے پہلے مصرعے میں تو وہ کنیزیں بننے کو تیار ہیں اور دوسرے مصرعے میں خود کو رانجھے سے الگ بھی کر رہی ہیں۔

(۲۴) بھلے جٹ بوہے اتے آن بیٹھے ایہہ چھوکری انہاں نوں دان کیجئے (ص ۱۳۰)
بھلے جاٹ بھی پیچھے آتے گئے مہر کی وہ بیٹھک میں ٹھہرے رہے (ص ۱۱۳)

ترجمہ بن رہا ہے کہ نیک صفت جاٹ باری باری آ کر مہر کی بیٹھک میں جمع ہوتے گئے جبکہ اصل کا مفہوم اس سے بہت مختلف ہے۔ مذکورہ اصل مصرع سے پہلے آتا ہے کہ کھیڑوں کا ہیر کے رشتہ حاصل کرنے کے لئے اپنا نائی بطور پیغام بر بھیجا ہے اور اب مہر چوچک کے بھائی اُسے مشورہ دیتے ہیں کہ تجھے یہ رشتہ کھیڑوں کو دے دینا چاہیے۔ ''بھلے جٹ بوہے اتے آن بیٹھے'' کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ مہر چوچک کے بھائی آ کر اس کے گھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ نہ یہ مطلب ہے کہ کھیڑے ایک اجتماع کی صورت مہر کی بیٹھک میں آ کر کھڑے ہوئے ہیں۔ مہر کے گھر کھیڑوں کا بھیجا ہوا جو نائی (جب شادی کارڈ نہیں ہوتے تھے تو گاؤں کا حجام یعنی نائی شادی کا دعوت نامہ گنڈھوں کی صورت میں گاؤں گاؤں اور گھر گھر لے جاتا تھا) آیا ہوا ہے تو وہ ایک طرح تمام کھیڑوں کی نمائندگی کر رہا ہے کھیڑے خود نہیں آئے بلکہ ان کا بھیجا ہوا نمائندہ ان کے بذات خود آنے کی عکاسی کرتا ہے۔

(۲۵) اساں مہر تھیں کم جو پاونا ئیں انبر پاٹ پوے صبر سیونا ئیں (ص ۱۳۲)
میرے صبر کا جو سما پھٹ پڑے نہیں کوئی ایسا جو اس کو سئے (ص ۱۱۷)

ترجمے میں ''سما'' آسمان کے معنوں میں آیا ہے جو ''انبر'' کا ترجمہ ہے گویا ترجمہ شدہ شعر کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ میرے صبر کا آسمان اگر پھٹ جائے گا تو اسے سینے والا کوئی نہیں۔ جبکہ اصل مفہوم اس کے برعکس ہے۔ وارث شاہ رانجھے کی زبان سے ہیر کی سہیلیوں کو کہہ رہے ہیں کہ ہیر کی شادی ٹھہر چکی ہے لہٰذا اب مجھے صبر ہی کرنا پڑے گا کیونکہ صبر ہی ایک ایسی قوت ہے جو آسمان بھی پھٹ جائے تو اسے سی دیتا ہے۔

(۲۶) اوہدا ویکھ کے حال احوال سارا ساڈا رونڈیاں نیر نہ ٹھلیائی (ص ۱۳۲)
خرد گم ہوئی ہوش اُس کے اڑے رواں اشک ایسے کہ تھمتے نہ تھے (ص ۱۱۷)

اصل میں ہے کہ ہیر کی سہیلیاں رانجھے سے ملاقات کے بعد ہیر کے پاس آتی ہیں اور اُسے رانجھے کے حال سے باخبر کرتی ہیں کہ آپ کے غم میں اُس کی جو حالت ہے اُسے دیکھ کر ہمیں بہت رونا آ رہا ہے۔ جبکہ ترجمے میں اس کے برعکس یہ ظاہر ہو رہا ہے سہیلیاں ہیر سے یہ کہہ رہی ہیں کہ رانجھے کے ہوش گم ہو چکے ہیں اور آپ کی جدائی میں بہت رو رہا ہے۔ حالانکہ اصل متن میں رانجھے کا حال تو بیان ہی نہیں ہوا اور ترجمہ نگار نے دونوں مصرعوں میں رانجھے کے حال کی ہی عکاسی کی ہے جو کہ غلط ہے۔

(۲۷) کھیڑیاں ساہا کڈھائیکے باہمناں توں بھلا متھ مہورت وار میاں (ص ۱۳۴)
کہا مہر نے کچھ برہمن بلا ارادہ ہے اب ہیر کے بیاہ کا (ص ۱۱۹)

اصل میں کھیڑے برہمنوں کو بُلا کر شادی کے لئے مبارک تاریخ / دن پوچھتے ہیں۔ ترجمہ میں مہر (ہیر کا باپ) ہوگیا ہے۔ ترجمہ شدہ پہلا مصرع یوں ہونا چاہیے تھا:

''کہا کھیڑیوں نے برہمن بلا''

(۲۸) گن ماڑیاں دے سبھے رہن وچے، ماڑے ماڑیاں تے دکھ پھولدے نی (ص ۱۳۵)
زبردست کے عیب پوشیدہ سب دکھی کو ستاتے ہیں دکھ للعجب (ص ۱۲۲)

اصل کا مفہوم یہ ہے کہ غریب اور کمزور لوگوں کے گُن یعنی ہنر، فن اور کمالات پوشیدہ رہتے ہیں۔ انہیں اپنے اظہار کا موقع ملتا ہے نہ حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ان کے دکھ درد کے ساتھ اُن کے ہم مرتبہ کمزور اور غریب ہی ہوتے ہیں۔ جبکہ ترجمے میں زبردست کے عیب پوشیدہ رہتے ہیں کہا ہے۔ جو اصل مفہوم سے بہت دور اور برعکس ہے۔

مندرجہ بالا پیش کردہ مثالیں، یکتا کے ترجمے کے صرف ابتدائی ڈیڑھ سو کے قریب صفحات میں سے لی گئی ہیں اور یہ وہ مثالیں ہیں جو زیادہ نمایاں ہیں یا جہاں ترجمہ بالکل اصل کے برعکس ہو جاتا ہے معمولی غلطیوں کو یہاں نظر انداز کیا گیا ہے ورنہ دیگر صفحات میں بھی ایسی مثالیں کثرت سے مل جاتی ہیں جہاں ترجمہ نگار اصل متن کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہا ہے اور ٹھوکر کھائی۔

کسی بھی زبان سے ترجمہ کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس زبان کی ادبی روایت اور اس قوم کی معاشرت، تہذیب و تمدن اور رسم و رواج سے اچھی طرح آشنائی ہو۔ یکتا چونکہ پنجابی زبان و ادب اور اس کی روایت سے مکمل طور پر آشنا نہ تھے اور نہ پنجاب کی تہذیب و معاشرت کے پروردہ تھے۔ اس لیے ان کے ترجمے میں ایسے تسامح کا در آنا فطری بات ہے۔ غلط ترجمے کی مذکورہ بالا مثالیں زیادہ تر پنجابی زبان و ادب سے ناآشنائی کا نتیجہ ہیں لیکن یہ صورتِ حال اور بھی زیادہ گھمبیر ہو جاتی ہے جب دیکھتے ہیں کہ ترجمہ نگار پنجاب کی تہذیب و معاشرت اور رسم و رواج سے بھی سرسری واقف ہیں۔ وارث شاہ کی ''ہیر'' اور بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ خصوصیت سے اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ اس میں پنجاب کا کلچر مکمل طور پر جلوہ گر ہے۔ انہوں نے ''ہیر'' کے مختلف ابواب میں جتنی کثرت اور تفصیل سے یہاں کے رسم و رواج اور معمولاتِ زندگی کی ضروری اشیا کا تذکرہ کیا ہے شاید ہی کسی اور پنجابی زبان کی کتاب میں یہ سب حوالے

آئے ہوں۔ مثلاً ''درتعریف مسجد''، ''درتعریف درس نظم وکتبھا''، ''درتعریف گاؤمیتساں''، ''سرود کردن رانجھا پیش پیراں''، ''پرسیدن رانجھا حقیقت عشق از مٹھی''، ''جواب دادن مٹھی''، ''تیاری کردن شادی ہیر''، ''اقسام مٹھائی''، ''اقسام طعام''، ''اقسام برنجھا''، ''تعریف در زیورات''، ''شمار پارچات جہیز''، ''ظروفِ جہیز''، ''آمدن مرد مان بر شادی ہیر''، ''آمدن برات''، ''دشنام دادن دختراں مرد مان برات را''، ''تمسخر مطربانی''، ''دولھا اندرون آور دن''، ''گفتگو خسر اچیاں باسیدا''، ''کلام سیدا''، ''روانہ شدہ برات کھیڑیاں'' اور ''آمدن دختراں برائے کشادن دستیارہ ہیر وسیدا''۔ ان ابواب کا خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں ہندی اور پنجابی تہذیب و معاشرت کی تصویریں وارث شاہ[۵] نے تمام رنگوں کے ساتھ کھینچیں ہیں جو اس تمدن کی آئینہ دار ہیں۔ پنجاب کے مدرسوں، تعلیم اور یہاں پڑھائی جانے والی کتب، مویشیوں کی اقسام ان کی عادات اور انہیں چرانے یا پرورش کرنے کی روایت، مختلف اقوام (ذاتوں) کے حوالے سے جذبۂ عشق کی کیفیت جوان کے مزاج اور فطرت کی آئینہ دار ہے۔ کھانوں کی اقسام، شادی بیاہ کے رسم ورواج اور زیورات کی اقسام وغیرہ کی تفصیلات سے پتا چلتا ہے کہ خود وارث شاہ پنجاب کی معاشرت کے ان سب حوالوں سے کماحقہ، آگاہ تھے۔

اس پس منظر میں اگر ہم یکتا کے ترجمے کو دیکھیں تو مایوسی ہوتی ہے کہ وہ پنجابی زبان و ادب کی روایت سے ناآشنائی کے سبب یہاں کی معاشرت کو سمجھنے سے بھی قاصر رہے ہیں۔ مذکورہ ابواب کے منظوم ترجمے میں سے اس نوعیت کی چند مزید مثالیں ملاحظہ ہوں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یکتا پنجاب کی معاشرت کے بہت سے حوالوں کا صحیح ادراک نہیں کر پائے۔

''ہیر'' میں ''درتعریفِ مسجد'' اور ''درتعریف درسِ نظم وکتبھا'' کے تحت وارثی عہد کی، عربی، فارسی زبانوں کی درسی کتب کا ذکر ہوا ہے۔ یکتا نے ترجمے میں بعض کتابوں کے نام تو درست درج کیے ہیں لیکن بعض کتب کے نام رعایت شعری کے تحت تبدیل کر لیے جس سے مفہوم میں کچھ خاص فرق نہیں پڑتا۔ اصل مطلب ادا ہو جاتا ہے خود وارث شاہ نے بھی چند کتب کے ناموں میں رعایت شعری سے کام لیا ہے۔ مثلاً ''صرفِ میر'' اور ''صرفِ بہائی'' دو الگ الگ کتابیں ہیں۔ انہیں ترجمہ نگار ایک مصرعے میں یوں موزوں کرتے ہیں:

''کوئی صرفِ میر و بہائی پڑھے'' (ص ۲۰)

اسی طرح ''فتاویٰ برہنہ'' کو صرف ''فتاویٰ'' لکھا ہے۔ ''معارج النبوت'' کو ''معارج نبوت'' اور ''قران السعدین'' کو صرف ''قِران'' لکھا ہے۔ ''ہیر'' کے متن میں موجود کچھ ایسی کتب بھی ہیں۔ جن کو یکتا نے ترجمے میں موزوں نہیں کیا مثلاً

''منظوم شاہان''، ''زنجانی''، ''انشائے ہرکرن''، ''نصاب الصبیان''، ''اعظم باری'' ''اللہ باری''،

''نگار دانش''، ''نگارنامہ''، ''نافع انسان''

ان کے علاوہ اب وہ حوالے ملاحظہ ہوں جہاں یکتا نے ترجمہ کرتے ہوئے ''ہیر'' کے متن میں موجود ان درسی کتب سے عدم واقفیت کا ثبوت دیا ہے۔ ان میں سے کہیں تو الگ الگ کتب کو ایک نام دے دیا ہے اور کہیں ایک کتاب کو دو کتابیں تصور کر لیا ہے۔ بعض کتب کے سلسلے میں ایسی صورت بھی رہی کہ یکتا نے انہیں محض اسما یا الفاظ سمجھ کر شعر موزوں کر دیے ہیں۔

(۱) قاضی قطب نے کنز انواع باراں مسعودیاں جلد سواریا نے (ص ۶۹)

کوئی صرفِ میر و بہائی پڑھے کوئی لیئے قاضی کا دورہ کرے (ص ۲۰)

سبق کنز و قطبی کے ہوتے رہے کہیں درس تھے بارہ مسعود کے (ص ۲۰)

شریف صابر نے اصل پنجابی مصرعے میں موجود کتب اور ان کے مصنفین کی تفصیل یوں دی ہے:

☆ قاضی مبارک (شرح مسلم العلوم) منطق، قاضی محمد مبارک سوم گوپاموی

☆ قطبی (شرح رسالہ شمسیہ مصنفہ نجم الدین) منطق، قطب الدین رازی

☆ کنز (کنز الدقائق) عربی میں فقہ حنفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی

☆ انواع باراں (باراں انواع) پنجابی اشعار میں فقہ کی کتاب، عبداللہ عبدی لاہوری

☆ مسعودی (صلوٰۃ مسعودی) حنفی مسلک کی صلوٰۃ وسلام کی دعائیں، شیخ مسعود ابن یوسف سمرقندی''[۶]

وارث شاہ کے ایک مصرعے میں مذکورہ کتب میں سے یکتا نے ترجمہ کرتے ہوئے ''انواع باراں'' اور ''مسعودی'' کو ایک ہی کتاب تصور کر کے ''بارہ مسعود'' لکھ دیا ہے۔

(۲) خانی نال مجموعہ سلطانیاں دے اتے حیرۃ الفقہ نرواریا نے (ص ۶۹)

کہیں درس خانی کا ہوتا رہا کسی جا تھا مجموعہ سلطان کا (ص ۲۰)

''خانی'' کتاب کا نام ہے جو مخفف ہے ''خانی مجموعہ'' کا شریف صابر کے ''اشوک'' کے حوالے لکھتے ہیں

یہ فقہ کی کتاب ہے جسے کمال الدین ناگوری نے تصنیف کیا۔ یکتا نے ''خانی'' کو ''خافی'' بنا دیا اور اس پر تخلص کی علامت لگا کر اسے شاعر کا نام تصور کیا ہے۔

(۳) اک نظم دے درس ہر کرن پڑھدے نام حق تے خالق باریاں نی (ص ۶۹)
سبق نام حق کا کسی نے لیا کوئی نام خالق کا جپتا رہا (ص ۲۱)

خالق باری (''امیر خسرو دہلوی کی منظوم لغات جو فارسی عربی اور ہندی کے مترادفات پیش کرتی ہے۔) یکتا نے ''نام خالق کا جپتا رہا'' سمجھ لیا۔

(۴) منشآتِ نصاب تے ابوالفضلان شاہنامیوں صدق نیاریاں نی (ص ۷۰)
مگر شیریں خسرو بھی منشی میں تھی (ص ۲۱)

شریف صابر نے درج ذیل دو الگ کتابوں کا حوالہ دیا ہے:

منشآتِ برہمن *مجموعہ خطوط پنڈت چندر بھان*، لاہور (شاہ جہان اور درباری امراء کی خط کتابت *شیرین خسروان* (مثنوی کے انداز میں عشقیہ قِصّہ) مصنفہ مولانا محمد الیاس نظامی گنجوی
۔

یہ دونوں الگ الگ مصنفین کی الگ الگ موضوعات پر کتابیں ہیں یکتا کے ترجمے کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ ''منشی'' کی کتاب ہے جس میں ''شیریں وخسرو'' کا قصہ بھی ہے۔

(۵) نجات المومنین تے روشن دل پڑھدے چارچمن بھی خوب پکاریاں نی (ص ۷۰)
جماعت میں تھی مومنوں کی نجات چمن چار روشن دل خوش صفات (ص ۲۱)

جس طرح *نجات المومنین* کتاب کا نام ہے اسی طرح *روشن دل* اور *چارچمن* بھی الگ الگ دو کتابیں ہیں۔ یکتا کے ترجمے سے ان کی الگ الگ حیثیت کا پتا نہیں چلتا۔ گویا ترجمہ مبہم اور غیر واضح بلکہ غلط ہو کر رہ گیا ہے۔

وارث شاہ کی ''ہیر'' میں پنجاب کے تہذیب وتمدن اور رسم ورواج کی جو نمایاں اور نمائندہ جھلک ملتی ہے۔ یکتا کے ترجمے میں وہ اس انداز سے جلوہ گر نہیں ہو سکی۔ ترجمے کو پڑھ کر مجموعی تاثر تو یہ بن جاتا ہے کہ یہاں پنجاب کے علاقے کی اور پنجابیوں کی روایت کی باتیں ہیں لیکن اگر انفرادی طور پر اس کا جائزہ لیں تو بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں کہ جہاں مترجم پنجابی تہذیب اور رواج سے مکمل طور پر واقف نہ ہونے کی بنا پر ٹھوکر کھاتے ہیں اور صحیح ابلاغ نہیں کر پاتے۔ گویا اس تہذیب کے بعض عناصر کو وہ سرے سے سمجھ ہی نہیں پائے۔ اس نوعیت کی

مثالیں ''ہیر'' کے صرف تین ابواب (بند) ''دولہا اندرون آور دن''، ''گفتگو خسرا چیاں باسیدا'' اور ''کلام سیدا'' سے پیش کی جاتی ہے۔ ان ابواب میں شادی بیاہ کے موقع پر پنجاب میں جو رسمیں ہیں ان رسموں کے ذریعے دولہا کی حاضری دماغی، ذہانت، طاقت اور معلومات عامہ کا امتحان کرنے کی غرض سے سوال کیے جاتے اور بعض ناممکن کام کرنے کو کہا جاتا اور نایاب چیزوں کی فرمائش اور تقاضا کیا جاتا۔ ان میں سے جن کو ترجمہ نگار صحیح طور پر سمجھ نہیں پائے، وہ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) میل جوڑ کے سالیاں جنج لیایاں لگیاں شگن سبب کراونے نوں (ص ۱۴۰)
لئے رسم آئیں سبھی جٹنیاں شگوں بھی لیا مل کے سب نے وہاں (ص ۱۳۱)

نامکمل مبہم اور غیر واضح سا ترجمہ بن رہا ہے کہ سیالوں کی عورتیں رسم لے کر آئیں اور سب نے مل کر شگون بھی لیا جبکہ اصل کا مفہوم ہے کہ سیدے کھیڑے کی سالیاں (یعنی ہیر کی بہنیں یا سہیلیاں) باہر آئی بیٹھی برات میں سے دولہا اور دوسرے متعلقہ افراد کو گھر لے آتی ہیں اور شادی کی تقریب کی رسمیں ادا کرنے لگتی ہیں۔ مترجم نے شگن (شادی کی تقریب کی رسمیں) کو شگون بنا دیا ہے۔ پھر یہ کہ شگون (فال) بھی ہو تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے لیا جائے۔

(۲) آ بیٹھ کھڈ کنے کھیڈ مَلّد جعفل لونگ سپاریاں پانوے نوں (ص ۱۴۰)
دیا سب نے اس کو کھلونا بنا کہے تو کہ تھا میلہ بیسا کھ کا (ص ۱۳۱)

شادی کی تقریبات میں پنجاب کے رواج کے مطابق دولہے کو واقعی کھلونا بنانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس مصرعے کا یہ مفہوم نہیں۔ ''کھڈ کنے کھیڈ نا'' شادی کی ایک رسم ہے جس میں دولہا دلہن یا دلہن کی سہیلیاں ایک دوسرے سے مختلف چیزیں چھین کر چھپائے دیتے ہیں اور پھر خوب تنگ کرنے کے بعد ہار منوا کر واپس کرتے ہیں۔ تنویر بخاری: *پنجابی لغت* میں لکھتے ہیں:

> شادی کے بعد کی ایک رسم جس میں دولہا دلہن چپکے چپکے ایک دوسرے سے چیزیں چھینتے ہیں۔ ۸

(۳) دودھ دے کواری دا چو جٹا نال ڈچھنا کھنڈ دی پڑی داوے (ص ۱۴۱)
کنواری کا دودھ اس کو دوہنے کہا شکر اور ڈچھنا رگڑنے کہا (ص ۱۳۱)

ڈچھنا (ہندی میں دکھشنا) پنجابی میں تحفہ یا نذرانہ کو کہتے ہیں اور کھنڈ پُڑی یا سہاگ پُڑا

جس میں عورتوں کے سنگار کا سامان ہوتا ہے۔ اصل مصرعے میں دو رسموں کا ذکر ہے بظاہر ان دو مختلف نوعیت کی رسموں کا ایک مصرعے میں آنا عجیب لگتا ہے لیکن وارث شاہ بعض اوقات ایک مصرعے میں دو دو تین تین مختلف اور متضاد رسموں کا ذکر کر جاتے ہیں۔ غرض اصل مصرعے کے دوسرے حصے میں سیدے کھڑے کی خسراچیاں اُس سے کھنڈ پڑی بطور تحفہ یا نذرانہ مانگتی ہیں۔ مترجم نے ''ڈ چھنا'' کو کوئی رگڑے والی چیز جانے کس لغت کے حوالے سے تصور کر لیا ہے۔

(۴) سوہیاں ساویاں نال بہار تیری مشک آوندا لونگاں دی دھڑی دانی (ص ۱۴۲)

بہاروں سے بھرپور جوبن تیرا   معطر ہے خوشبو سے سب تن ترا (ص ۱۳۲)

ترجمہ نگار کا مطلب ہے کہ سیدا کھیڑا، سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے کسی ایک لڑکی کو مخاطب کر کے اس کی تعریف کرتا ہے جبکہ شادی کی تقریبات میں لڑکی والوں کی طرف سے عورتوں کی سٹھنیاں شدید طنز آمیز ہوتی ہے اس لیے جواب میں دولہا بھی اسی انداز اور اسلوب میں اپنی ذہانت دکھاتا ہے۔ لہٰذا یہاں اصل کا ترجمہ بنتا ہے کہ اے لڑکی تیری خوبصورتی صرف سرخ و سبز رنگ کے لباس ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ خود تجھ سے بدبو آ رہی ہے۔ لونگ کی کڑوی کسیلی اور تیز بو ہوتی ہے۔ دھڑی پانچ سیر کے وزن کو کہتے ہیں۔ یعنی دھڑی بھر لونگ جتنی آ رہی ہے۔ شریف کنجاہی لکھتے ہیں:

تیری ساری بہار سُرخ سبز کپڑوں کی مرہون منت ہے ورنہ تجھ سے باس تو
لونگوں کی دھڑی کی آ رہی ہے۔ [9]

وارث شاہ نے ''ہیر'' کے آخر میں ''خلاصہ قِصّہ ہیر و رانجھا'' کے عنوان سے ایک بند کا اضافہ کیا ہے۔ جس میں انھوں نے قصے میں شامل مختلف کرداروں اور مقامات کی وضاحت کی ہے اور انھیں علامتیں قرار دے کر ان سے اصل مطلب یا مراد کی نشاندہی کی ہے جس سے قصہ ہیر و رانجھا خالص جسم اور روح کی متصوفانہ داستان بن جاتا ہے مثلاً ہیر کا کردار ''روح'' کے لئے علامت ہے۔ رانجھا ''جسم'' کی علامت، پنج پیر ''حواسِ خمسہ'' ہیں اور سیدا کھیڑا ''عزرائیل'' کے لیے علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ہیر وارث شاہ کی اصل روح اور مطلب یہی ہے۔ اس آخری بند سے پہلے خاتمہ ''کتاب'' کے تحت بھی وارث شاہ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ قصہ: ''تمثیل دے نال بیان کیتا جیہی زینت لعل دے ہار دی اے''۔

''ہیر'' میں موجود مختلف کرداروں اور مقامات کی صحیح تفہیم کے لیے اس آخری بند کو سمجھنا

نہایت ضروری ہے۔ ان علامتوں اور ان سے مراد اصل مطلب کے تبدیل ہو جانے یا کر دینے سے وارث شاہ کے مفہوم سے دور جا پڑنے یا اس سے انحراف کی دلیل ہے۔ یکتا نے اس آخری بند کا ترجمہ کرتے ہوئے بھی کہیں کہیں مفہوم غلط، اُلٹ اور خبط کر دیا ہے اور کچھ علامتوں کی وضاحت نہیں ہو پائی۔ اس سلسلے کی چند ایک مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) قاضی حق، جھبیل نے عمل تیرے، عیال منکر نکیر ٹھہرائیائی (ص ۳۵۲)

کنیزک عمل، قاضی رب قدیر   عیالی کو ٹھہرایا منکر نکیر (ص ۴۸۱)

اس اصل مصرع میں جھبیل یعنی ملاح کو عمل قرار دیا ہے جس طرح ایک کشتی کو دریا میں ڈبونا یا پار اتارنا ملاح کے ہاتھ ہے اسی طرح محشر میں نیک یا بُرے اعمال نے انسان کو پار اتارنا یا ڈبونا ہے۔ گویا اصل مصرعے میں ''جھبیل'' (ملاح) ''عمل'' کے لئے علامت ہے۔ یکتا نے ترجمے میں ''کنیزک (لونڈی) کو ''عمل'' کے لئے علامت قرار دیا جو غلط ہے کیونکہ ''باندی'' ایک دوسرا کردار ہے جو ''بھوک'' کے لیے علامت ہے اور اسے یکتا نے آگے چل کر لکھا بھی ہے: ''بھکھ رابیل باندی'' ترجمہ ''کنیزک تری اشتہا سربسر'' واضح ہوا کہ یکتا کے ہاں ''کنیزک'' بیک وقت ''عمل'' اور ''اشتہا'' دونوں کے لئے ہے جو وارث شاہ کے مفہوم سے بہت دور جا پڑتے ہیں کیونکہ وارث شاہ نے کسی ایک کے لئے دو علامتیں استعمال نہیں کیں۔ یہ وہی غلطی ہے جو اس سے پہلے بھی یکتا نے بار ہا بار کی ہے یعنی ''جھبیل'' (لڈن ملاح) کو انھوں نے ''چھبیل'' (چھیل چھبیلی لڑکی) مراد لیا اور ہر جگہ ترجمہ غلط ہوا۔

(۲) کوٹھا گور تے عزرائیل کھیڑا جیہر الیندا ائی روح نوں دھایائی (ص ۳۸۲)

مکاں لحد ہے موت کھیڑے تری   کسی کے کہاں موت بس میں رہی (ص ۴۸۱)

وارث شاہ نے سیدے کھیڑے کو ''عزرائیل'' قرار دیا ہے۔ جبکہ یکتا نے کھیڑے کو ''موت'' کے لیے علامت بنا دیا۔ عزرائیل فاعل ہے جو حکم ربی سے موت کے فعل کو وارد کرتا ہے جس کا مفعول جاندار ہے۔ گویا موت اور عزرائیل دو الگ الگ حقیقتیں ہیں اور وارث شاہ نے آگے چل کر ''موت'' کے لئے ''سہتی'' کو علامت قرار دے کر اس فرق کو واضح بھی کر دیا ہے۔

(۳) بھائی بھابیاں، ساک پیوند تیرے، جنہاں نال توں جھنجھا پایائی (ص ۳۵۲)

تعلق سے جھنجٹ میں تو پڑ گیا   نہیں کوئی ساتھی برے وقت کا (ص ۴۸۱)

کس کے تعلق سے اور کیسے جھنجٹ میں پڑ گیا اس کی کچھ وضاحت نہیں ہو سکی جبکہ اصل

متن میں ''بھائی بھابیاں'' کو ''ساک پیوند'' سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ قصّے میں رانجھے کے بھائی اور بھاوجوں کے جو کردار ہیں، زندگی میں وہ انسان کے عزیز و اقارب اور رشتہ دار ہیں (والدین اور بیوی بچوں کے علاوہ، کیونکہ اُن کے لئے پہلے ''سیاں'' کی علامت استعمال ہو چکی ہے) جس طرح کا سلوک رانجھے سے یا رانجھے نے ان کے ساتھ کیا، زندگی میں ہر انسان کو یہ ''حسن سلوک'' اپنے عزیز و اقارب سے روا رکھنا پڑتا ہے یا اُن کی طرف سے یہ سلوک لازمی طور پر سہنا اور وصول کرنا پڑتا ہے جو فیصلہ کن اور طے شدہ ہے۔ وارث شاہ نے گویا اس طے شدہ جھنجٹ کا قطعیت سے اعلان کیا ہے۔ جبکہ ترجمے میں (اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ تعلق سے مراد ان عزیزوں سے تعلق ہی ہے اور جھنجٹ سے مراد اُن کا جھگڑے کرنا ہی ہے تو بھی وارث شاہ کی سی قطعیت نہیں پیدا ہوتی) لچک اور گنجائش کا سا انداز ہے کہ اگر ان سے تعلق نہ ہوتا تو یہ جھنجٹ نہ پڑتے۔ وارث شاہ کے مطابق زندگی میں یہ انسان کا مقدر ہیں۔

(۴) ایہہ مزدوری سیالاں دیاں مجھیاں نے جنہاں حیلہ تے کسب اٹھایائی (ص ۳۵۲)

ملازم سیالوں کا دھید و ہوا دیا حق نے روزی کا حیلہ بنا (ص ۴۸۲)

ترجمے کا یہ مفہوم ہے کہ جب ''دھیدو'' (رانجھا) ''سیالوں'' کا ملازم ہو گیا تو قدرت نے اس کی روزی کی وسیلہ بنا دیا، جبکہ اصل متن میں وارث شاہ نے سیالوں کی بھینسوں کو ''مزدوری'' کے لیے علامت قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قصّے میں رانجھا بھینسیں چراتا ہے یا اُسے چُرانی پڑی ہیں اسی طرح ہر انسان کو زندگی میں مزدوری کرنی پڑتی ہے۔ گویا ترجمے میں اصل متن کے مفہوم کا عکس اور شائبہ بھی نہیں ملتا۔ یہ علامت ہی اصل مفہوم تھا جسے نظر انداز کیا گیا۔

(۵) سہتی موت تے جسم ہے یار رانجھا انہاں دوہاں نے بھیڑ مچایائی (ص:۳۵۲)

سمجھ روح رانجھے کو سہتی کو تن جُدا ہو تو باقی نہ تن ہے نہ من (ص:۴۸۲)

ترجمہ اصل سے بالکل مختلف اور الٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ وارث شاہ نے سہتی کو ''موت'' کی علامت قرار دیا ہے اور رانجھے کو بدن کی۔ (وارث شاہ نے رانجھے کو پہلے بھی بدن ہی قرار دیا ہے) جبکہ مترجم اس آخری بند کے پہلے شعر میں اصل کے مطابق رانجھے کو ''جسم'' قرار دے چکے ہیں لیکن اب اُسے ''روح'' کے لئے علامت کہہ کر تضاد بیانی کا شکار نظر آتے ہیں۔

مذکورہ مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یکتا کے نزدیک ''ہیر'' وارث شاہ کی اس تمثیلی

اور علامتی حیثیت کی اہمیت نہیں ہے یا وہ اس طرف توجہ نہیں دے سکے نہ ان علامتوں میں فرق روا رکھ سکے جس سے نہ صرف اس بند کا بلکہ پورے ترجمے کا مفہوم کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ مثلاً اسی بات کو لے لیجئے کہ مترجم اگر وارث شاہ کے برعکس ہیر کی بجائے رانجھے کو ''روح'' قرار دیں، رانجھے کی بجائے سہتی کو ''تن'' قرار دیں یا سہتی کی بجائے کھیڑے کو ''موت'' قرار دیں، ہیر وارث شاہ کا پورا قِصّہ زیروزبر ہو جاتا ہے اور جس مقصد کے لیے ترجمہ کیا گیا ہے کہ پنجابی سے ناواقف اُردو دان طبقہ اس سے روشناس ہو غارت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب اگر کوئی ایسا قاری جو پنجابی زبان سے یا ہیر وارث شاہ سے بالکل آشنائی نہیں رکھتا اور سامنے صرف یہ منظوم اردو ترجمہ ہے تو وہ لازمی طور پر وارث شاہ کے مفہوم برعکس اس مثنوی میں رانجھے کے کردار کو کبھی ''روح'' اور کبھی ''جسم''، کنیز کو کبھی ''عمل'' اور ''کبھی اشتہا'' اور کبھی ہیر اور کبھی رانجھے کو ''روح'' سمجھ کر نہ صرف کشمکش کا شکار ہو گا بلکہ سہتی کو ''تن'' اور کھیڑے کو ''موت'' سمجھ کر گمراہ بھی ہو گا۔ پھر یہ کہ ترجمہ شدہ اس آخری بند میں ان کرداروں کو جو اصل کے برعکس علامتی لباس پہنایا ہے وہ قصے کے اصل کرداروں سے بھی میل نہیں کھاتا۔ یہاں اس آخری بند میں کرداروں کی غلط علامتی توضیحات نے اصل کی بنیاد کو ہلا کر اور تبدیل کر کے رکھ دیا ہے لہٰذا ان کو اصل قصے پر منطبق کرتے ہوئے ان تسامحات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

ہیر وارث شاہ کے کرداروں کی علامتی حیثیت کے حوالے سے غلط تطبیق کی ایک مثال تو ترجمہ شدہ مذکورہ آخری بند ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اصل قصے میں بھی مترجم نے بعض کرداروں کو اُلٹ دیا ہے جس سے ان کی علامتی حیثیت مجروح ہوتی ہے مثلاً بھائی اور بھابیاں تو علامت ہیں ''عزیزوں رشتہ داروں کے لئے ان میں سے ایک بھاوج (ینگہ) علامت ہے ''شہوت'' کے لئے، کھیڑا علامت ہے ''عزرائیل'' کی اور مہر چوچک اور ملکی علامت ہیں ''فقہ اصول دونویں'' کے لئے۔ ترجمہ کرتے ہوئے یکتا نے مثنوی (قصّے) میں ان کرداروں میں بھی فرق روا نہیں رکھا۔ کہیں بھائیوں یا بھاوجوں کے لئے صرف ''بھاوج'' (بطور واحد جو ''شہوت'' کی علامت ہے) استعمال کیا ہے اور کہیں کھیڑے کے لئے مہر اس نوعیت کی دو ایک مثالیں بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوں گی۔

(۱) گجھے مہنے مار کے سپ وانگوں اس دے کالجے نوں پئے ڈنگدے نی (ص ۶۲)

''دربیان عداوت کردن برادران بارانجھا''

مگر طعنے مہنے جو بھاوج کے تھے (ص ۵)

یہاں بھائیوں کے بجائے بھاوج یعنی ''رشتہ داروں'' کی بجائے ''شہوت'' کر دیا گیا ہے۔

(۲) رانجھا آکھدا بھابھیوں ویرنوں نی تساں بھائیاں نالوں وچھوڑیا اے (ص ۶۴)

ارے بھابھی تو نے یہ کیا کر دیا (ص ۷)

یہاں بھی بھابھیوں کی بجائے بھاوج یعنی ''رشتہ داروں'' کی بجائے ''شہوت'' کر دیا ہے۔

ہیر وارث شاہ میں تشبیہات و استعارات کی کثرت وارث شاہ کی پنجابی زبان پر گہری گرفت کا ثبوت ہے۔ جیسی نادر تشبیہات اور نئے نئے استعارے وارث شاہ کے ہاں ملتے ہیں شاید ہی پنجابی کی کسی دوسری کتاب میں آئے ہوں۔ وارث شاہ نے ان تشبیہات و استعارات کو محض فن برائے فن کے طور پر ہی استعمال نہیں کیا بلکہ اپنے افکار کو پُر زور اور بھرپور طریقے سے بیان کرنے کی غرض سے استعمال کیا ہے اور ان سب کا ''ہیر'' کے قصے، اس کے کرداروں اور پنجاب کے کلچر کی نمائش اور نمائندگی میں بڑا اہم کردار اور گہری معنویت ہے۔ یکتا نے ترجمہ کرتے وقت ان تشبیہات و استعارات کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں پنجابی زبان کی تشبیہات و استعارات کی بجائے اسی مفہوم کی اردو تشبیہیں اور استعارے بھی انہوں نے باندھے ہیں جو اپنی مثال نہیں رکھتے لیکن ''ہیر'' میں زبان و بیان کے لحاظ سے ان کی جو دھاک بیٹھتی ہے یا مفہوم کی ادائیگی کو جس شدت، زور اور اثر سے بیان کیا جاتا ہے۔ یکتا کے ترجمے میں کہیں کہیں انہیں اپنانا یا نبھانا ممکن نہیں ہو پایا۔ ترجمے میں تشبیہات و استعارات کے حوالے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جہاں ترجمہ نگار تشبیہ کو سمجھ نہیں پاتے یا اُسے موزوں کرنا ممکن نہیں ہوتا اُسے بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور کہیں یہ ان کا استعمال غلط اور اصل سے ہٹ کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً ''ہیر'' کے شروع کے صفحات میں سے ہیر کے حسن کی تعریف والا بند اور مِٹھی نائن کا مختلف ذاتوں کے حوالے سے رانجھے کو عشق کی حقیقت سے آگاہ کرنے والے بند میں وارث شاہ نے تشبیہات و استعارات کے ڈھیر لگا دیئے ہیں۔ ان میں سے یکتا نے ترجمہ کرتے ہوئے کچھ تشبیہات کو نظر انداز کیا ہے مثلاً ''متھے مسجداں دے محراب سوہنے

صفاں چونڈیاں دے کول سنگ بندے'' (ہیر کی سہیلیوں کی تعریف کرتے ہوئے ان کے ماتھوں کو مسجد کے محرابوں سے تشبیہ دی ہے اور ان کے بالوں کی بنائی ہوئی چونڈیوں کو صفیں کہا ہے) ''اوہدا نک بولاق جوں قطب تارا''، ''سرخ رنگ جوں انگ شہاب دا جی''، ''قد سرو بہشت گلزار وچوں''، ''باہاں ویلنے ویلیاں گھت مکھن''، ''چھاتی سنگ مرمر گنگ دھار وچوں'' رانجھے کے حقیقتِ عشق پوچھنے پر مِٹھی نائن کے جواب میں سے ''صقلی گرنی دا پھرے تلوار چائی''، ''بہوکر ہوبجواں عشق ماہتانیاں دا''، ''عشق داتری واہڈواں چوہڑیاں دا'' ''عشق گھمرویاں دا مچّھی وانگ بھائی''۔ مچھے وانگ سی عشق کھترانیاں دا''، ''گجے بدل دے وانگ بھرائیناں دا'' اور ''تلے وانگ بھڑ کے عشق موچناں دا'' جیسی تشبیہات کا ترجمہ یکتا نے نہیں کیا۔

وارث شاہ نے خصوصاً ''در تعریف صورت ہیر'' کے تحت تشبیہ در تشبیہ سے کام لیا ہے بلکہ بعض اوقات ہیر کی کسی ایک صفت کو بیان کرنے کے لئے تین تین چار چار تشبیہات استعمال کی ہیں مثلاً ''دند چنبے دی لڑی کہ ہنس موتی دانے نکلے حسن انار وچوں'' اس میں ہیر کے صرف دانتوں کی تعریف کے لئے تین تشبیہات استعمال ہوئی ہیں۔ چنبیلی کے پھولوں سے، ان انمول موتیوں سے جو ہنس کی خوراک ہے اور حسن کے انار کے دردانے کے ساتھ۔ یکتا ترجمے کرتے ہوئے ایسی تشبیہ در تشبیہ کی صورت کو مکمل طور پر نہیں نبھا سکے صرف ایک تشبیہ دے کر باقی کو چھوڑ دیا۔ مثلاً اسی مذکورہ مصرعے کو دیکھیں تو صرف ایک تشبیہ استعمال ہوئی ہے۔

''نہ تھے دانت اُس کے تھے موتی سچے'' (ص ۱۳)

وارث شاہ کے ہاں تشبیہات و استعارات کی، یکتا کے ترجمے میں مذکورہ دو طرح کی مثالوں کے علاوہ ایک یہ صورت بھی رہی ہے کہ یکتا نے ان کا ترجمہ کیا ہے لیکن وہ غلط ہو گیا۔ اصل مفہوم سے ہٹ گیا یا غیر واضح اور مبہم رہ گیا۔ اب اس نوعیت کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) اسیں وانگ سواہ دے بھسم ہوئے تسیں وانگ انگیار یا بھکدیاں ہو (ص ۶۸)

بھسم ہو گئے کس سے ہم کیا کہیں تمہیں کیا مریں ہم کہ جیتے رہیں (ص ۱۵)

اصل میں رانجھا اپنی بھاوج سے کہتا ہے مجھے آپ نے طعنے دے کر گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ لہٰذا میں تو سواہ (راکھ) کی طرح بھسم (بجھ) چُکا ہوں اور آپ ابھی انگاروں کی طرح بھڑک رہی ہیں یعنی مجھ سے لڑائی جھگڑے پر تلی ہوئی ہیں۔ اس میں رانجھے کو سواہ (راکھ)

سے اور اس کی بھاوجوں کو بھڑکتے انگاروں سے تشبیہ دی ہے۔ جس کا ترجمے میں شائبہ تک نہیں ہے۔

(۲) گردن کونج دی انگلیاں رواہنہ پھلیاں ہتھ کولڑے برگ چناروچوں (ص ۷۷)
نہ تھیں انگلیاں ہر پھل ماش کی خردگم ہو دیکھے سے آ کاش کی (ص ۳۱)

اصل مصرعے میں دوسری تشبیہ یہ ہے کہ انگلیوں کو رواہنہ کی پھلیوں جیسا قرار دیا ہے۔ ترجمے میں انگلیوں کو ماش کی پھلی سے تشبیہ دی جو غلط ہے۔ رواہنہ (لوبیا) کی پھلیاں بہت خوبصورت اور لمبی ہوتی ہیں گویا انگلیوں کی لمبائی کو بیان کرنا مقصود ہے۔ ماش کی یہ پھلیاں بہت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں جو قطعاً انگلی کے برابر بھی نہیں ہوتیں۔ لہٰذا تشبیہ غلط اور غارت ہو کر رہ گئی۔

یہ اور اس طرح کی اور بھی متعدد پنجابی تشبیہات و استعارت اور دیگر فنی اصطلاحوں علامتوں اور محاورات وضرب الامثال کو مترجم سمجھنے سے قاصر رہے جس وجہ سے ترجمہ غلط ہوا۔

اردو مثنوی کی بحر میں ترجمہ کرتے ہوئے یکتا نے رعایت شعری اور زحافات کا بھی اکثر کام لیا ہے کیونکہ بعض پنجابی لفظ یا اسما من وعن شامل کرنے پڑے اس وجہ سے ترجمہ کرتے ہوئے کہیں کہیں مصرعے وزن سے خارج ہو کر رہ گئے ہیں پنجابی الفاظ و اسماء کو اردو میں ڈھالنا یا من وعن لکھنا واقعی ایک مشکل آزمائش تھی جس وجہ سے اصل پنجابی مفہوم کو ادا کرنے کی غرض سے کچھ حروف (میں، سے، نے، کو وغیرہ) کا اضافہ ممکن تھا اس سے مفہوم تو بعض اوقات ادا ہو گیا لیکن مصرع وزن سے خارج ہو گیا ایسی کچھ غلطیاں پنجابی تلفظ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں اسی طرح کچھ کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے بھی ایسی صورت رہی یکتا نے لفظ ''سہیلیوں'' یا ''سہیلیاں'' کو ضرورت شعری کے تحت ہر جگہ ''سہلیاں'' یا ''سہلیوں'' لکھا ہے بعض جگہ ''شریکنیاں'' (رشتہ دار عورتیں) کو بھی ''سہلیاں'' باندھا ہے یہاں کچھ مثالیں نمونے کے طور پر درج کی جاتی ہیں اور یہ مثالیں وہ ہیں جہاں مصرعے وزن سے خارج ہوئے یا عروضی تقاضوں کے پیشِ نظر مفہوم غارت ہو کر رہ گیا۔ ان کے بالمقابل ''مجوزہ تصحیح'' کے عنوان سے کچھ مجوزہ ترمیم و تصحیح شدہ مصرعے درج کر دیئے ہیں جو ترجمے کو پڑھتے پڑھتے اس کی روانی اور آہنگ کی وجہ سے موزوں ہو گئے۔ اس ''مجوزہ تصحیح'' میں کچھ ایسے مصرعے بھی ہیں جن کے اصل مصرعے (یکتا کے) وزن کے لحاظ سے درست نہیں کچھ ایسے ہیں جو مفہوم کی ادائیگی کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہیں

کچھ ایسے بھی ہیں کہ یکتا نے جہاں مذکر، مؤنث اور واحد جمع کا خیال نہیں رکھا اور کچھ ایسے کہ پنجابی لفظ کے استعمال سے بچا جا سکتا ہے یا کہیں پنجابی لفظ کو استعمال کر کے مفہوم درست ادا ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہوں چند مثالیں:

	یکتا کا ترجمہ	مجوزّہ تصحیح
(۱)	مگر ان کی مج لنگی ان کا بدن (ص ۴)	نظر آتی مجھ لنگی اُن کے بدن
(۲)	مگر طعنے مہنے جو بھاوج کے تھے (ص ۵)	مگر طعنے مہنے جو بھائیوں کے تھے
(۳)	کلیجے پہ کھایا ہوا تیر ہوں (ص ۷)	کلیجے پہ کھائے ہوئے تیر ہوں
(۴)	میری سہلیاں مجھ سے کہتی ہیں یہ	میری رشتہ داریں یہ کہتی ہیں سب
	پکڑ ہاتھ مہنے وہ دیتی ہیں یہ (ص ۸)	پکڑ ہاتھ طعنے وہ دیتی ہیں سب
(۵)	کہا بھابیوں نے کنیزیں ہیں ہم (ص ۱۳)	کہا اُس سے بھائیوں نے خادم ہیں ہم
(۶)	ملنگ تو بنا وہ ملنگی نہ ہوئی (ص ۷۸)	ملنگ تو بنا وہ ملنگنی تری
(۷)	کرے عشق جوگی تو سولی چڑھے (ص ۸۰)	کرے عشق جوگن سے سولی چڑھے
(۸)	ترے ساتھ ہیرے نے ایسا کیا (ص ۱۱۲)	ترے ساتھ ہے ہیر نے کیا کیا
(۹)	کہا مہر نے کچھ برہمن بُلا (ص ۱۱۹)	کہا کھیڑیوں نے، برہمن بُلا
(۱۰)	پرا کڑی، ہموسے، اِندَر سے وڑے (ص ۱۲۰)	
(۱۱)	لدّھر کا کوئی شہ نہ رنگڑے کا پیر (ص ۱۳۷)	
(۱۲)	چھپا کب ہے دنیا میں نشر ہو گیا (ص ۱۳۹)	

اس نوعیت کی معمولی ترامیم سے مصرع زیادہ موزوں، بامعنی اور اصل مفہوم کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وزن کے لحاظ سے یکتا کے جن غلط مصرعوں کی تصحیح نہیں ہو سکی ان کی صرف نشان دہی کر دی ہے۔

یکتا کا یہ ترجمہ بظاہر تو پابند ہے یعنی ایک مصرعے کا ترجمہ ایک شعر میں کرتے چلے جاتے ہیں لیکن اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اصل مصرعے کا مکمل ترجمہ نہیں ہو پاتا اور ترجمہ شدہ شعر مکمل کرنے کی غرض سے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ذیل میں نامکمل اور اضافہ شدہ ترجمے کی کچھ مثالیں مع اصل متن، بغیر وضاحت کے درج کی جاتی ہیں۔ وضاحت اس لیے غیر ضروری سمجھی ہے کہ اصل اور ترجمہ کو بیک نظر دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے بقیہ عام مصرعوں کو نشان زد کر

دیا ہے اصل متن کونشان زد کرنے کا مطلب ہے کہ اس حصے کا ترجمہ نہیں ہو سکا۔ ترجمے کونشان زد کرنے کا مطلب ہے کہ یہ اضافہ ہے۔ چونکہ یکتا نے بعض اوقات ایک مصرعے کا ترجمہ ایک مصرعے میں بھی کیا ہے لہٰذا ترجمہ شدہ دوسرا مصرع وہ اپنی طرف سے بڑھاتے ہیں۔ ایسی صورت میں صرف اضافہ شدہ ترجمہ کونشان زد کیا جائے گا۔ ان مثالوں کے اندراج سے پہلے یہ یقین کرلیا ہے کہ مترجم نے اصل متن میں سے ترجمہ نہ ہو سکنے والے مفہوم کو اگلے شعر میں درج نہیں کیا بلکہ اگلا شعر اصل کے اگلے مصرعے کا ترجمہ ہوتا ہے۔ یہ احتیاط یا یقین اس لیے کرنا پڑا کہ بعض اوقات مترجم ایک مصرعے کا ترجمہ ایک شعر میں نہیں کرتے بلکہ دو شعروں میں اسے مکمل کرتے ہیں۔
مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) عشق پیر فقیر دا مرتبہ اے مرد عشق دا بھلا رنجول میاں (ص ۵۷)

فقیروں سے رتبہ بڑھا عشق کا نہ ہوتے اگر یہ تو ہوتا خدا (ص ۱)

(۲) مودودؒ دالاڈلا پیر چشتی، شکر گنج مسعود بھرپور ہے.جی (ص ۶۰)

خدا کے ولی پیر گنج شکر ہمیشہ ہے اُن کی خدا پر نظر (ص ۵۰)

(۳) اَٹھ پتر دو بیٹیاں تسدیاں سن وڈا ٹبراتے پروار آہا (ص ۶۲)

پسر آٹھ اس کے تھے دو دختراں مگر پیار ھید و سے تھا بے کراں (ص ۵)

(۴) کن نک نماز دے ہین کتنے متھے کہناندے دھروں ایہہ ماریانے (ص ۷۱)

بتا اس کے کتنے ہیں ناک اور کان ہوئی بوڑھی وہ یا ہے اب تک جوان (ص ۱۸)

(۵) مسجد بیت العتیق مثال آہی خانے کعبوں ڈول اتاریانے (ص ۶۹)

کہوں کیا میں صنعت کو معمار کی نمونہ تھا کعبہ کا مسجد نہ تھی (ص ۲۰)

کمزور، مبہم اور نامکمل ترجمے کی ایسی مثالیں کثرت سے یکتا کے اس ترجمے میں مل جاتی ہیں۔ غلط یا اصل کے برعکس ترجمے کی مثالیں جو اس سے پہلے دی گئی ہیں وہ تو ترجمے میں سے ڈھونڈنی پڑتی ہیں لیکن محولہ بالا کمزور، مبہم اور نامکمل ترجمے کی مثالیں تو تقریباً ہر بند (باب) میں آسانی سے مل جاتی ہیں۔ ان میں سے نامکمل ترجمے کی تو ایسی صورت رہی ہے کہ یکتا نے اصل متن کے ایک مصرعے کا ترجمہ ایک شعر میں کیا جس میں اصل مصرعے کے کچھ لفظ یا ایک حِصّہ ترجمے میں نہ آ سکا اور انہوں نے اپنی طرف سے اضافہ کر کے شعر مکمل کرلیا۔ ان کے علاوہ مکمل ترجمے کا اصل سے موازنہ کرتے چلے جائیں تو کہیں کہیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اصل متن کا پورا ایک مصرع ترجمہ

نہیں ہو سکا۔ ان میں بھی اصل متن کے خصوصاً وہ مصرعے کھٹکتے ہیں جو ہر بند (باب) کے آخر میں آتے ہیں اور جن میں وارث شاہ نے اپنا نام استعمال کیا ہے۔ یوں تو وارث شاہ کی یہ پوری کتاب دانش سے بھری پڑی ہے لیکن قصے اور کہانی سے الگ خصوصیت کے ساتھ وارث شاہ نے اپنے مشاہدات اور مکالمات ''مقولہ شاعر'' اور پھر ہر بند (باب) کے آخری مصرعے میں جس سلیقے سے بیان کیا ''ہیر'' کی اصل دانش وہاں کھُلتی ہے۔ وارث شاہ کہانی بیان کرتے کرتے کہیں درمیان میں ''مقولہ شاعر'' کے عنوان سے اپنی رائے ظاہر کر کے اس کہانی کے یا اس کے کرداروں کا تجزیہ کر دیتے ہیں یا پھر ہر بند (باب) کے آخری مصرعے سے یہ کام لیتے ہیں۔ غرض وارث شاہ کی ''ہیر'' کی اصل دانش یا اس کی روح انہی مقامات میں ہے۔ یکتا نے ترجمہ کرتے وقت ''مقولہ شاعر'' کے تحت تو اس دانش کے ابلاغ کی کوشش کی ہے لیکن ہر بند کے آخری مصرعے کو اکثر نظر انداز کیا ہے اور اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ اس نوعیت کی بے شمار مثالوں میں سے ابتدائی صفحات سے چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں جن کا لفظی ترجمہ تو درکنار آزاد ترجمہ بھی نہیں ہو سکا:

(۱) وارث شاہ جہان تے غرض مٹھی آپو اپنی جوگ نوں گیڑ دے نی (ص ۶۳)

(۲) وارث شاہ جے نفس دے کہے لگوں اینویں رائیگاں عمر گوائیائی (ص ۶۳)

(۳) وارث شاہ میاں فعل بندیاں دے رب قدرتاں نال آزماؤندا اے (ص ۶۴)

(۴) وارث شاہ بے فائدہ عمر گزری بازی روز قیامتے ہارنی ایں (ص ۶۵)

(۵) وارث شاہ خدا دے خانیاں نوں ایہہ ملاں نہ چمبڑے ہین بلائیں (ص ۷۲)

(۶) وارث شاہ چو ہیک جے نویں چوپیں سبھے بھل جانی جیہڑیاں گاونائیں (ص ۸۱)

(۷) وارث شاہ دا جگر دکھن ہویا سب ویکھ کے حال خراب میرا (ص ۸۱)

(۸) وارث شاہ اس جگ توں اُٹھ جاناں دلوں کبر ہنکار نوں ماریے نی (ص ۸۱)

(۹) وارث شاہ دو رکن ایمان دے نی صدق دلوں زبان قرار ہیرے (ص ۸۲)

(۱۰) مدد نال خدا دی میاں وارث دلوں غیر دلیلاں نوں چائیوڑاں (ص ۸۲)

(۱۱) وارث شاہ جاں نیک نصیب ہوون مدد پیرا میر فقیر میاں (ص ۸۶)

(۱۲) وارث شاہ حساب نوں پکڑنی گے جھناں ماپیاں دی جند جان تائی (ص ۹۴)

(۱۳) وارث شاہ گناہ دی ندی اندر اینویں رائیگاں عمر نوں پوڑنا ہیں (ص ۱۱۸)

(۱۴) وارث شاہ میاں مرد سدا جھوٹے رناں سچیاں سچ نتار دے ہو (ص ۱۲۵)

مندرجہ بالا یہ تمام وہ مصرعے ہیں جو ابتدائی چند صفحات کے ہیں اور جن کا ترجمہ یکتا نے بالکل کیا ہی نہیں اس کے علاوہ دانش بھرے اس نوعیت کے جن مصرعوں کا ترجمہ کیا ہے اُن میں سے کچھ میں تو کامیاب رہے لیکن کچھ کا مفہوم خبط کر دیا یا واضح نہیں کر پائے مثلاً:

(۱) وارث شاہ ایہہ غرض ہے بہت پیاری ہور ساک نہ سین نہ انگدے نی (ص ۶۲)
ہوا اُن سے رانجھا بہت پُر ملال نہ تھا رشتہ ناطہ کا ان کو خیال (ص ۵)

(۲) وارث شاہ وچ حجریاں فعل کر دے ملاں جوترے لاوندے واہیاں نوں (ص ۷۱)
یہاں سے تو ہر اک چلا جائے گا کھلے گا کسی وقت اچھا بُرا (ص ۱۷)

(۳) چلو لیلۃ القدر دی کر و زیارت وارث شاہ ایہہ کم ثواب دا جی (ص ۷۷)
نرالی حسینوں کی ہر ایک بات انہیں عید ہر روز ہر شب برات (ص ۳۱)

(۴) وارث شاہ توں جیوندا گھوک ستوں اکے موت آئی مر گیا ہیں وے (ص ۷۹)
نہیں ہے جہاں میں کوئی ہوش میں پڑے ہیں سبھی خوابِ خرگوش میں (ص ۳۵)

(۵) وارث جنہاں نوں ہور نہ تا ہنگ کوئی کم تنہاں دا آپ سوار دا اے (ص ۸۳)
نہ جس دل میں خواہش کسی کی رہی اُسی پر خدا کی عنایت ہوئی (ص ۴۲)

یکتا کے ترجمے میں مذکورہ مصرعوں کا ترجمہ شاید اس وجہ سے نہیں ہو سکا کہ ترجمے میں ''مثنوی ہیر رانجھا'' کی داستانوی حیثیت کو برقرار رکھنا مترجم کے نزدیک زیادہ اہم رہا۔ کیونکہ کسی ایک جگہ بھی اصل متن کا مفہوم ترجمے میں واضح نہیں آ سکا (اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں)۔ اصل ''ہیر'' میں تو وارث شاہ داستان بیان کرتے کرتے آخر میں اس کا تجزیہ کرنے کی غرض سے خود میدان میں آ جاتے ہیں۔ جس سے داستان کا تسلسل ایک لمحے کے لئے ٹوٹ جاتا ہے کہ ابھی تو کوئی کردار باتیں کر رہا تھا لیکن اب وارث شاہ درمیان میں آ کر تصوف کی بانسری بجانے لگتے ہیں۔ ''ہیر'' کے پنجابی حصّے میں تو یہ انداز بھلا لگتا ہے اور بامعنی ہے بلکہ ایک خاص معنوی حُسن پیدا کر دیتا ہے لیکن اردو ترجمے میں یہ پنجابی کے مطابق آنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے یکتا نے جہاں ایسے مصرعوں کا ترجمہ کیا ہے تو وہ بھی صرف اسی صورت میں کہ جس سے ''ہیر'' کی داستانوی حیثیت اور تسلسل میں کوئی فرق نہیں آتا۔

یکتا کے اس منظوم اردو ترجمے کا یہ مطالعہ، صرف ابتدائی ڈیڑھ سو کے قریب صفحات کو سامنے رکھ کر پیش کیا ہے۔ مذکورہ بالا نوعیت کے مختلف مشاہدات کی مثالیں ان ابتدائی صفحات کے بعد آخر تک مل جاتی ہیں۔ یکتا چونکہ پنجابی زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت سے مکمل طور پر آشنا نہیں تھے اس وجہ سے ہیر وارث شاہ کا ترجمہ کرتے ہوئے کہیں کہیں انہوں نے ٹھوکر کھائی ہے لیکن اس طرح کے تسامحات کو اگر ذرا دیر کے لئے نظر انداز کر دیا جائے اور اس ترجمے کا اصل سے موازنہ کیے بغیر اسے صرف ایک اردو مثنوی کے روپ میں دیکھیں تو مترجم کی اردو زبان پر دسترس، قادر الکلامی اور حسنِ بیان کی داد دینا پڑتی ہے۔ اُردو تشبیہات و استعارات اور تلمیحات کے ساتھ ساتھ خاص طور پر حسن تعلیل اور دیگر فنی اُمور کی لاجواب مثالیں یہاں موجود ہیں۔ ہیر وارث شاہ کے اس منظوم اُردو ترجمے کے مقدمہ نگار محمد عظیم الدین محبت لکھتے ہیں:

> اس منظوم ترجمے کو دیکھنے کے بعد مترجم کی وسیع المطالعہ شخصیت، علمی قابلیت اور ذاتی استعداد کا پتہ چلتا ہے۔ یہ منظوم مثنوی نہ صرف استعاروں اور تشبیہوں سے مالا مال ہے بلکہ تلمیحات کا بھی ذخیرہ اس میں موجود ہے۔ مترجم نے ہیر رانجھا کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ لیلائے اُردو کے ہاتھ میں جڑاؤ کنگن پہنا دیے ہیں۔ [۱۰]

ذیل میں یکتا کے حُسن تخیل اور حسن بیان کی محض چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

(۱) شاہ پری پناہ نت لئے جس توں ایہہ تھاؤں اس مشک لپیٹڑ یدا (ص ۷۵)
پری بھی جو دیکھے تو ہو شرمگیں کبھی آنکھ اس سے ملائے نہیں
نسیم اُس کی زلفوں کی سونگھی تھی بُو اُسی دن سے ہے دربدر کو بکو (ص ۲۶)

(۲) سرمہ نیناں دی دھار وچ پھب رہیا چڑھیا ہند تے کٹک پنجاب دا جی (ص ۷۷)
لکیریں وہ سُرمہ کی ہائے غضب کہے تو کہ یک جا ہوئے روز و شب (ص ۳۱)

(۳) جیہڑے ویکھنے دے رتجھوان آہے وڈا واعدہ تنہاں دے باب دا جی (ص ۷۷)
غرض تھے جو مشتاق دیدار کے قیامت کا وعدہ وہ لیکر گئے (ص ۳۱)

(۴) آ بغل وچ بیٹھ کے کراں گلاں جیویں وچ قربان کمان ہوئی (ص ۷۹)
مِلی ہیر ایسی کہ بس کھو گئی کبھی تیر تھی اب کماں ہو گئی (ص ۳۶)

(۵) اک آوندیاں گاوندیاں نال خوشی بھڑ تو ماردیاں نی نال سکھراندے (ص ۱۳۰)
خوشی سے وہ پھولے سماتی نہ تھیں خوشی گا رہی تھی وہ گاتی نہ تھیں (ص ۱۱۳)

(۶) سوہنیاں اڈیاں نال پازیب پھبّے گھنگرالڑے گھنگرو لایونے (ص ۱۳۶)

کچھ ایسے تھے پازیب گھنگرو لگے   اسی کی تو خاطر سے پاؤں بنے   (ص ۱۲۲)

(۷) ونگاں چوڑیاں وچ ونداناں سن نال مچھلیاں والڑے ساریانے   (ص ۱۳۶)

نہیں چوڑیاں تھیں مگر کہکشاں   ستاروں کا ہوتا تھا ان پر گماں   (ص ۱۲۳)

(۸) مہتابیاں ٹوٹکے چادراں سن دین چکیاں وڈے رسامیاں   (ص ۱۴۰)

بنائی تھیں کچھ ایسی مہتابیاں   شعاعوں کا سورج کی اُن پر گماں   (ص ۱۳۰)

چھٹے تارہ منڈل فلک پر گئے   وہاں چاند تاروں میں جا کر ملے   (ص ۱۳۰)

(۹) پڑھن علم تے عمل نہ کرن جیہڑے وانگ ڈھول دے بول جو سکھنا ئیں   (ص ۱۴۶)

فقط علم پر ہی ترے اونچے بول   عمل جب نہیں ہے تو ہے خالی ڈھول   (ص ۱۴۰)

(۱۰) میری گل دی نہیں پرتیت تینوں شاہد حال داا ے وارث شاہ میرا   (ص ۱۵۵)

بھروسہ نہیں جب میری بات کا   ذرا پوچھ وارث سے یہ بھی تو تھا   (ص ۱۵۳)

ان مثالوں میں ممکن ہے کہیں کہیں مترجم اصل سے دور ہو گئے ہوں یا اصل کا مکمل ترجمہ نہ کر سکے ہوں لیکن مترجم نے جس حسنِ تخیل کا مظاہرہ کیا ہے بلاشبہ وہ میر حسن کی اُردو مثنوی *سحر البیان* کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ یکتا کے ترجمے میں سے صرف یہ وہ مثالیں دی ہیں جو اُن کی فنی مہارت اور پختگی کی علامت ہیں اس کے علاوہ بھی انفرادی طور پر ایسے بے شمار اشعار اور بند مل جاتے ہیں جہاں مترجم نے اصل قصے کو بھی سلیقے سے ترجمہ کیا ہے۔ یکتا کے ترجمے کے بارے میں مندرجہ بالا مختلف نوعیت کے انفرادی مشاہدات و مطالعات کے علاوہ مجموعی طور پر یکتا کے ترجمے کو دیکھیں تو یہ اُردو مثنویات کی روایت اور اسلوب کی نمائندہ مثال ہے۔ اس پر اضافہ یہ کہ اس مثنوی میں قصہ ہیر رانجھا کی بدولت پنجابی تہذیب و تمدن کی جھلک بھی نظر آ ہی جاتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

[چونکہ اس مضمون میں عام روایت سے بڑھ کر صفحات کے نمبروں کا اندراج ضروری تھا، چنانچہ چند جگہوں پر مضمون کے متن میں ہی صفحہ نمبر کی نشاندہی کے لیے ''ص'' کا استعمال کر دیا گیا ہے تاکہ قاری کو پڑھتے وقت آسانی رہے۔]

۱۔ محمد عظیم الدین محبت، مقدمہ، *منظوم ترجمہ ہیر وارث شاہ* (کراچی: وارث شاہ اکیڈمی، ۱۹۷۶ء)، ب۔

۲۔ ''عبدالوحید مجاہد یکتا''، *اردو کا جامع انسائیکلو پیڈیا* (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۶ء)، ع۔

۳۔ محمد اسلم، *خفتگان کراچی* (لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، نومبر ۱۹۹۱ء)۔

۴۔ *پاکستانی اہل قلم کی ڈائریکٹری* (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۶ء)، ے۔

۵۔ ان میں سے بعض ابواب کے بارے میں یہ تحقیقی مباحث سامنے آ چکے ہیں کہ یہ وارث شاہ کے تحریر کردہ نہیں بلکہ پیراں دتہ ترگڑ یا بعض دوسرے لوگوں کے اضافہ کردہ ہیں (اس سلسلے میں سب سے مستند تحقیق شریف صابر نے کی ہے جو ان کی مرتبہ ہیر وارث شاہ کے مقدمے میں ہے۔) لیکن ترجمہ نگار کے پیشِ نظر چونکہ پیراں دتہ کا نسخہ ہے اس لیے ان مباحث کو اسی حوالے سے دیکھا جائے گا۔

۶۔ شریف صابر، مرتبہ، *ہیر وارث شاہ* (لاہور: وارث شاہ میموریل کمیٹی، ۱۹۸۶ء)، ۲۱۸۔

۷۔ درسی کتب کے ناموں کے حوالے سے اس مثال میں اور اس نوعیت کی بعد کی مثالوں میں شریف [illegible] وارث شاہ، صفحہ ۶۲۱ سے ۷۱۹ تک مدد لی ہے۔ اس حوالے سے ایک اچھی کتاب اختر راہی (ڈاکٹر سفیر اختر) کی ہے، جو *تذکرۂ مصنفین درس نظامی* کے عنوان سے مسلم اکادمی لاہور سے جون ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی لیکن ہیر وارث شاہ میں درج بعض کتابوں کے حوالے اس میں نہیں آ سکے، اس لیے شریف صابر پر ہی بھروسا کیا گیا ہے۔

۸۔ تنویر بخاری، *پنجابی اُردو لغت* (لاہور: س ن)، ۱۲۰۵۔

۹۔ شریف کنجاہی، نثری ترجمہ، *ہیر وارث شاہ*، جلد اوّل (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۱ء)، ۲۰۴۔

۱۰۔ محمد عظیم الدین محبت *منظوم ترجمہ ہیر وارث شاہ*، ج۔

مآخذ

اختر، سفیر۔ *تذکرۂ مصنفین درس نظامی*۔ لاہور: مسلم اکادمی، ۱۹۷۵ء۔

اردو کا جامع انسائیکلو پیڈیا۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۶ء۔

اسلم، محمد۔ *خفتگاں کراچی*۔ لاہور: ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، نومبر ۱۹۹۱ء۔

اہل قلم کی ڈائریکٹری: پاکستانی اہلِ قلم کے کوائف۔ اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء۔

بخاری، تنویر۔ *پنجابی اُردو لغت*۔ لاہور: س ن۔

دتہ، پیراں۔ مرتبہ *اصلی تے وڈی ہیر*۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن۔

صابر، شریف۔ مرتبہ *ہیر وارث شاہ*۔ لاہور: وارث شاہ میموریل کمیٹی، ۱۹۸۶ء۔

کنجاہی، شریف۔ *نثری ترجمہ ہیر وارث شاہ*۔ جلد اوّل۔ اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۱ء۔

محبت، محمد عظیم الدین۔ مقدمہ *منظوم ترجمہ ہیر وارث شاہ*۔ کراچی: وارث شاہ اکیڈمی، ۱۹۷۶ء۔

یکتا، عبدالوحید مجاہد۔ *منظوم ترجمہ ہیر وارث شاہ*۔ کراچی: وارث شاہ اکیڈمی، ۱۹۷۶ء۔